اپریل ۲۰۰۶ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

عرض احوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خصوصی اجتماع برائے ذمہ دارانِ تنظیم

جیسا کہ رفقائے تنظیم کے علم میں ہے کہ گزشتہ سال ملک کی تاریخ کے ہولناک ترین زلزلہ کی تباہ کاریوں اور متاثرین کے لیے ضروری امدادی سرگرمیوں کے باعث تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع منسوخ کر دیا گیا تھا۔ بعدازاں مشورے کے بعد یہ طے ہوا کہ اپریل 2006ء میں تنظیم اسلامی کے ذمہ داران کا ایک آل پاکستان خصوصی اجتماع منعقد کیا جائے۔ اس کے لیے 2 تا 4 اپریل کی تاریخیں طے کر دی گئی تھیں۔

اس اجتماع سے ہمارے پیشِ نظر ذمہ دارانِ تنظیم بالخصوص نقباء و امراءِ مقامی کو نظام العمل کے حوالے سے مرکز کے ساتھ ہم آہنگ اور یکسو کرنا ہے۔ اجتماع کی نوعیت تربیتی و مشاورتی ہوگی۔ مزید برآں مختلف پہلوؤں سے فکر کی تازگی کے ساتھ ساتھ ذمہ داران کے باہمی ربط و تعلق میں اضافہ بھی پیش نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مقاصد کے حصول میں ہماری خصوصی نصرت فرمائیں۔ آمین!

الحمدللہ غور وخوض اور مشاورت کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد تنظیم میں دعوت کے کام کو زیادہ مؤثر بنانے کی خاطر باقاعدہ ایک مربوط نظام مرتب کیا جا چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تنظیم میں تصورِ اُسرہ اور تنظیمی ڈھانچے کو اس کی حقیقی روح کے مطابق استوار کرنے کی خاطر حال ہی میں نظام العمل میں ضروری تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں اور مرکز تنظیم کی جانب سے نقباء و امراء کی تربیت کا سلسلہ بھی سہ روزہ تربیت گاہوں کی صورت میں شروع کر دیا گیا ہے۔ اس اجتماع میں اس کے مختلف پہلو شرکاءِ اجتماع کے سامنے دوبارہ وضاحت کے ساتھ آ جائیں گے' ان شاء اللہ۔ مزید برآں دعوت اور تنظیم کے ان تقاضوں کے حوالوں سے ذمہ دار حضرات کو جن مشکلات کا سامنا ہے ان کو بھی اس اجتماع میں زیر بحث لایا جائے گا اور اُن کے حل کرنے کے حوالے سے شرکاءِ اجتماع کو تجاویز پیش کرنے کا موقع بھی فراہم کیا جائے گا۔

حال ہی میں تنظیم میں رائج نظامِ تربیت کے ازسرنو جائزے اور نظر ثانی کے لیے اور اسے تنظیمی مقاصد اور اہداف کے ساتھ بہتر طور پر ہم آہنگ کرنے کی خاطر سفارشات مرتب

کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو اس پر غور کر رہی ہے۔اس حوالے سے طے کیا گیا ہے کہ اس اجتماع میں ایک ورکشاپ کا انعقاد کیا جائے جس میں شرکاءِ اجتماع کو گروپ میں تشکیل دے کر ''تربیت کیا اور کیسے؟'' کے عنوان سے مشورہ کر کے تجاویز مرتب کرنے کا موقع دیا جائے گا تا کہ مرکز میں قائم تربیتی جائزہ کمیٹی شرکاء کی آراء سے استفادہ کر سکے۔

مختصراً یہ کہ اس اجتماع میں ذمہ داران حضرات سے درج ذیل دو مشاورتی امور پر اجتماع سے قبل غور و خوض کرنے اور اس اجتماع میں بروقت اور کل وقتی شرکت کرنے کی درخواست ہے۔

(i) دعوت و تنظیم کے تقاضوں کی ادائیگی میں مشکلات اور ان کا حل

(ii) تربیت کیا اور کیسے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فکر و عمل دونوں پہلوؤں سے قرآن وسنت کی رہنمائی سے بہرہ ور فرمائے اور اس صراط مستقیم پر گامزن رہنے اور اپنی دینی ذمہ داریوں کو بہتر طور پر سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تذکرہ و تبصرہ

توہینِ ناموسِ رسالت ﷺ

انجینئر نوید احمد☆

ڈنمارک کے اخبار جیلنڈز پوسٹن (Jyllands Posten) میں ۳۰ ستمبر ۲۰۰۵ء کو نبی اکرم ﷺ کی ناموس کے حوالے سے بارہ توہین آمیز خاکوں کی اشاعت ہوئی۔ ڈنمارک میں مسلمان ممالک کے سفیروں نے فوری طور پر اِس مذموم حرکت پر احتجاج کیا اور گیارہ سفیروں نے ڈینش وزیرِ اعظم سے ملاقات کا وقت مانگا۔ وزیرِ اعظم نے ملاقات کا وقت دینے سے انکار کر دیا۔ سفراء نے اپنی حکومتوں کو اِس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ سعودی عرب کی حکومت نے ڈینش وزیرِ اعظم سے معافی مانگنے اور گستاخی کے ذمہ داران کو سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ ڈینش وزیرِ اعظم نے معافی مانگنے سے انکار کر دیا اور موقف اختیار کیا کہ اظہارِ آزادیٔ رائے مغربی جمہوریت کی ایک لازمی قدر ہے اور ہم اِس پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتے۔ حالانکہ دوسروں کے جذبات کو مجروح نہ کرنا بھی ایک اہم اخلاقی قدر ہے جسے دنیا کے تمام مہذب معاشرے تسلیم کرتے ہیں، لیکن اِس قدر کو ڈینش وزیرِ اعظم نے فراموش کر دیا۔ ردّعمل کے طور پر سعودی عرب، لیبیا اور ایران نے ڈنمارک سے اپنے سفیروں کو واپس بلا لیا اور کئی ممالک میں توہین ناموسِ رسالت کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے۔ دوسری طرف کئی دیگر یورپی ممالک کے اخبارات نے بھی ڈینش اخبار سے یکجہتی کے اظہار کے لیے گستاخانہ خاکے شائع کر دیے۔ اِن ممالک میں ناروے، جرمنی، اٹلی، فرانس، برطانیہ، ہالینڈ، پرتگال، اسپین اور سوئٹزرلینڈ شامل ہیں۔ اِس کے بعد یورپی یونین نے بھی ڈینش وزیرِ اعظم سے اظہارِ یکجہتی کیا اور توہین ناموسِ رسالت کے خلاف ہونے والے مظاہروں کی مذمت کی۔ اِس صورتِ حال پر مسلمانوں میں اشتعال اور بڑھ گیا اور اب پوری دنیا میں مسلمانوں کے احتجاج کا سلسلہ جاری ہے۔

☆ ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی، کراچی

توہینِ رسالتؐ کے خلاف مسلمانوں کے شدید ردِّعمل کا سبب

ایک مسلمان نبی اکرم ﷺ کی توہین کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ اِس مسئلہ پر جان کی بازی لگانا ایک بہت بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ نبیؐ اکرم ﷺ سے محبت ایک مسلمان کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ......﴾ (الاحزاب : ٦)

''نبی (ﷺ) مؤمنوں کے لیے اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز ہیں''۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا بھی عملی اظہار یہ ہوگا کہ محبت کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے مبارک اُسوہ کی پیروی کی جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾﴾ (آلِ عمران)

''(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو' تو (محبت کے ساتھ) میری پیروی کرو' اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا' اور اللہ بخشنے والا' مہربان ہے''۔

سورۃ التوبۃ کی آیت ۲۴ میں دوٹوک انداز میں فرمایا گیا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾﴾

''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: اگر تمہارے باپ دادا' اور تمہارے بیٹے' اور تمہارے بھائی' اور تمہاری بیویاں' اور تمہارے رشتہ دار' اور وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں' اور وہ تجارت جس میں خسارے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جو تمہیں پسند ہیں' اگر تمہیں زیادہ محبوب ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول (ﷺ) سے اور اُس کی راہ میں جہاد سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ اپنا فیصلہ (یعنی تمہاری موت)' اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

خود نبی اکرم ﷺ کا اپنے حوالے سے ارشاد ہے:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ

اَجۡمَعِیۡنَ)) (۱)

''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُسے محبوب نہ ہو جاؤں اُس کے والد سے' اُس کی اولاد سے اور (یہاں تک کہ) تمام انسانوں سے۔''

توہینِ رسالتؐ تاریخ کے پس منظر میں

قرآنِ حکیم سے رہنمائی ملتی ہے کہ توہینِ رسالت کا جرم سلسلۂ نبوت و رسالت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ بقول اقبال:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ابلیسِ لعین نے گستاخی کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿اَرَءَیۡتَکَ ھٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۶۲﴾﴾ (بنی اسراء یل)

''دیکھ تو سہی کیا یہی ہے وہ شخص جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے' اگر (اے اللہ!) تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں ضرور اِس کی اولاد کو اُکھاڑ پھینکوں گا سوائے اُن میں سے چند کے۔''

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ گستاخی کے حوالے سے قرآنِ حکیم نے ہمیں آگاہ کیا کہ:

﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیۡنَ الۡاِنۡسِ وَالۡجِنِّ یُوۡحِیۡ بَعۡضُھُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ غُرُوۡرًا ؕ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ مَا فَعَلُوۡہُ فَذَرۡھُمۡ وَمَا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ (الانعام)

''اور اِسی طرح ہم نے ہر نبیؐ کے دشمن بنا دیے انسانوں اور جنوں میں سے شیطان' جو دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو دلفریب باتیں سجھاتے رہتے ہیں' اور اگر تمہارا ربّ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ تو چھوڑ دو اُن کو اور اُس کو جو کچھ یہ گھڑتے ہیں۔''

اِس وقت توہینِ رسالت کا جرم کرنے والے اظہارِ آزادیٔ رائے کی پُرفریب بات یعنی ''**زُخۡرُفَ الۡقَوۡلِ**'' کو اپنے جرم کا جواز بنا کر پیش کر رہے ہیں' جبکہ یورپ ہی میں اظہارِ آزادیٔ رائے کا معاملہ یہ ہے کہ بہت سے صحافی محض اِس وجہ سے قید و بند کی صعوبتیں

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حبّ الرسول من الایمان۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب محبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... الخ۔

برداشت کر رہے ہیں کہ اُنہوں نے ''ہولوکاسٹ'' کے دوران ہلاک ہونے والے یہودیوں کی ساٹھ لاکھ کی تعداد کو چیلنج کیا تھا۔ اِن صحافیوں پر الزام لگایا گیا کہ اُنہوں نے یہودی قوم کی دل آزاری کی ہے لہٰذا وہ سزا کے مستحق ہیں۔ دوسری طرف توہین آمیز خاکوں کی اشاعت سے کروڑوں مسلمانوں کو دکھ پہنچا ہے لیکن اُس کا کوئی احساس نہیں۔

اِس آیت میں اللہ نے فرمایا کہ ''اگر اللہ چاہتا تو یہ شیاطین کسی نبی کے خلاف کچھ نہ کر سکتے' لیکن اللہ نے خود ہی اُن کو ڈھیل دی ہے''۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں تمام انسانوں کو اللہ نے امتحان کے لیے بھیجا ہے۔ ایک طرف نبیﷺ سے محبت کا راستہ ہے جس میں نبی کی اطاعت کرتے ہوئے شریعت کی پابندی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ دوسری طرف شریعت کی پابندیوں سے بچنے کے لیے آسان راستہ ہے کہ شریعت کی راہ دکھانے والے نبیؐ ہی کے دشمن بن جاؤ۔ یہ گستاخی وہی لوگ کرتے رہے جن کو آخرت میں محاسبہ پر یقین نہیں تھا۔ اِسی لیے سورۃ الانعام کی اگلی آیت میں فرمایا گیا:

﴿وَلِتَصْغٰٓی اِلَیْہِ اَفْئِدَۃُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ وَلِیَرْضَوْہُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا ھُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ (الانعام)

''اور (ہم یہ اِس لیے کرنے دیتے ہیں) تاکہ مائل ہوں اُن باتوں کی طرف دل اُن لوگوں کے جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر' اور پسند کریں اُس کو' اور یہ اِس لیے بھی تاکہ کرتے رہیں وہ (بُرے کام) جو وہ کر رہے ہیں۔''

نبی علیہ السلام کے دشمنوں کی جسارتوں کا شر اہلِ ایمان کے لیے یہ خیر پیدا کرتا ہے کہ اُن میں نبی کی محبت کا جوش اور بڑھ جاتا ہے۔ بقول شاعر: ؎

تُندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اُڑانے کے لیے!

ہر نبی علیہ السلام کے ساتھ دشمنی کرنے والوں کا ذکر سورۃ الفرقان' آیت ۳۱ میں بھی آیا ہے:

﴿وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَکَفٰی بِرَبِّکَ ھَادِیًا وَّنَصِیْرًا ﴿۳۱﴾﴾

''اور اِسی طرح ہم نے مجرموں میں سے ہر نبی کے دشمن بنا دیئے' اور (اے نبی!) آپؐ کا ربّ ہدایت دینے اور مدد کرنے کو کافی ہے۔''

یعنی نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے اور نبی کے مشن کو ناکام کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے'

لیکن اللہ کافی ہے ہدایت دینے اور نبی کا مددگار ہونے کے اعتبار سے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ نبی کو ایذا دینے والے دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا ہو کر رہیں گے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝۵۷ ﴾ (الاحزاب)

''جو لوگ اللہ کو ناراض کرتے اور اُس کے رسول کو ستاتے ہیں اُن پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اُن کے لیے اُس نے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

مکّی دَور میں توہینِ رسالت

پورے مکی دَور میں مشرکین نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتے رہے۔ وہ آپؐ پر طنز کے تیر برساتے رہے اور بار بار جسمانی اعتبار سے بھی مجروح کرنے کا جرم کرتے رہے۔ قرآنِ حکیم میں اِس توہین کا ذکر کئی بار آیا ہے:

﴿وَاِذَا رَاٰکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ ۚ وَهُمْ بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ کٰفِرُوْنَ ۝۳۶﴾ (الانبیاء)

''اور (اے نبیؐ!) جب بھی کافر آپؐ کو دیکھتے ہیں تو ہنسی کرتے ہیں کہ کیا یہی ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں کا ذکر (انکار) کیا کرتا ہے؟ حالانکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر سے انکاری ہیں''۔

﴿وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۝۳۱﴾ (الزُّخرُف)

''اور اُنہوں نے کہا کہ یہ قرآن اِن دونوں بستیوں (یعنی مکے اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟''

﴿وَقَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶﴾ (الحجر)

''اور اُنہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جو سمجھتا ہے کہ اُس پر نصیحت نازل ہوئی ہے! بلاشبہ تم تو یقیناً پاگل ہو''۔

﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۫ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝۴﴾ (صٓ)

''اور اُنہوں نے تعجب کیا کہ اُن کے پاس اُنہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آیا'

اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور بہت بڑا جھوٹا ہے''۔

طائف میں رسول اللہ ﷺ کو اپنی حیاتِ مبارکہ کی شدید ترین اذیت کا سامنا ہوا اور آپ ﷺ نے اللہ کی جناب میں یوں فریاد کی:

((اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ ' وَ قِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ ' یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ' اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ ' اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟))(۲)

''اے اللہ! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا ربّ ہے اور تُو ہی میرا بھی ربّ ہے۔ تُو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ سختی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟''

جس شخص کی معاشرے میں شروع ہی سے کوئی عزت نہ ہو' اگر کوئی اُس کی زیادہ توہین کر دے تو وہ اُس کا اتنا اثر نہیں لے گا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کو ظہورِ نبوت سے قبل لوگ ''الصادق'' اور ''الامین'' کہتے تھے' آپ ﷺ سے اپنے تنازعات کا فیصلہ کرواتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے اُنہیں دنیا و آخرت کی فلاح کی طرف دعوت دینی شروع کی تو وہ آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح سے آپ ﷺ کی توہین کرنے لگے۔ اِس پر آپ ﷺ کو شدید دکھ تھا۔ اللہ نے آپ ﷺ کو اِن الفاظ میں تسلی دی:

﴿اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ﴿۹۹﴾﴾ (الحجر)

''(اے نبیؐ!) یقیناً ہم کافی ہیں آپؐ کی طرف سے اِن مذاق اُڑانے والوں کے خلاف۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ اور معبود بنا لیے ہیں' پس یہ عنقریب جان لیں گے (آپؐ کی توہین اور اللہ کے ساتھ شرک کا انجام)۔ اور ہم نے جان لیا ہے کہ اِن کی باتوں سے آپؐ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔ سو آپؐ اپنے پروردگار کی تسبیح کیجیے اُس کی حمد کے ساتھ اور ہو جایئے سجدہ کرنے والوں میں سے۔ اور اپنے پروردگار کی

---

(۲) سیرت ابن ہشام' بحوالہ تاریخ الطبری ۳۴۵/۲۔

عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپؐ کے پاس یقینی شے (یعنی موت) آ جائے''۔
مکّی دَور میں نبی اکرم ﷺ کی سب سے زیادہ توہین کرنے والا بد بخت ابولہب تھا۔ دورِنبویؐ کا یہ واحد کافر ہے جس کا قرآن میں نام آیا اور اللہ نے اِس کے حق میں شدید وعید بیان فرمائی۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَہَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَا اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ ۝۲ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۝۳﴾ (اللّھب)

''ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ہلاک ہو! نہ تو اُس کا مال ہی اُس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اُس نے کمایا۔ وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔''

دونوں ہاتھ سے مراد اُس کے دو بیٹے ہیں۔ ایک بیٹے نے اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔ آپ ﷺ نے اُسے بد دعا دی کہ اے اللہ! اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اِس پر مسلط کر دے۔ شام سے ایک تجارتی سفر سے واپسی پر ایک شیر نے اُسے چیر پھاڑ دیا۔ دوسرا بیٹا مسلمان ہوگیا۔ گویا ابولہب اپنے دونوں بیٹوں سے محروم ہوگیا۔ موت کے بعد اُس کی میت سے اِس قدر تعفن پیدا ہوا کہ کوئی قریب نہ جا سکتا تھا۔ ایک رسّی کے پھندے کے ذریعے اُس کی لاش کو گھسیٹ کر جنگل میں پھینکا گیا۔ اِسی طرح فتح مکّہ کے موقع پر قریش کے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، تم سب آزاد ہو! البتہ ایسے نو افراد کو معاف نہیں کیا گیا جو آپؐ کی توہین کرتے تھے۔ اُن کے بارے میں حکم دیا گیا کہ اگر وہ کعبہ کے پردے کے پیچھے بھی پائے جائیں تو اُنہیں قتل کر دیا جائے۔

مدنی دَور میں توہین رسالت

مدنی دَور میں منافقین رسول اللہ ﷺ کی توہین میں پیش پیش تھے۔ قرآنِ حکیم میں اِس کا ذکر کئی مقامات پر ہوا:

﴿وَاِذَا قِیْلَ لَہُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا ۝۶۱﴾ (النساء)

''اور جب اُنہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس کلام کی طرف جو اللہ نے نازل فرمایا اور رسولؐ کی طرف تو آپؐ دیکھتے ہیں کہ منافق آپؐ کے پاس آنے سے کتراتے ہیں۔''

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُہُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُہُوْا عَنْہُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْکَ حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ

بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ط حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ج يَصْلَوْنَهَا ج فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۸﴾ (المُجادلة)

''کیا تم نے نہیں دیکھا اِن لوگوں کو جنہیں خفیہ سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا؟ مگر وہ وہی کرتے ہیں جس سے اُنہیں منع کیا گیا تھا اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور معصیت اور زیادتی کے کاموں اور رسولؐ کی نافرمانی کے لیے' اور جب (منافقین) آپؐ کے پاس آتے ہیں تو آپؐ کے بارے میں ایسے کلمات کہتے ہیں جو اللہ نے آپؐ کے لیے نہیں کہے اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اِس پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ اِن کے لیے جہنم کافی ہے' وہ اُس میں ڈالے جائیں گے اور وہ لوٹنے کی بہت بری جگہ ہے۔''

﴿وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ط﴾ (التوبة : ٦١)

''اور اِن میں سے کچھ ہیں جو نبی (ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو نرے کان ہیں۔''

اِس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین غزوہ میں شرکت سے بچنے کے لیے جھوٹے عذر پیش کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ شرافت و مروّت کا پیکر تھے۔ آپ ﷺ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ لوگ جھوٹا عذر پیش کر رہے ہیں' اُنہیں شرمندہ نہ کرتے اور اُن کا عذر قبول فرما لیتے۔ وہ بدبخت باہر جا کر مذاق اڑاتے کہ ''هُوَ اُذُنٌ'' کہ محمد (ﷺ) تو نرے کان ہیں' ہم جو بہانہ کریں وہ ہمارے جھوٹ کو سمجھتے ہی نہیں' بلکہ اُس پر یقین کر لیتے ہیں۔ گویا وہ آپ ﷺ کی نرمی کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ ہی میں منافقین کی اِن گستاخیوں کی سزایوں بیان فرمائی:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ط﴾ (التوبة : ٨٠)

''(اے نبیؐ!) خواہ آپؐ اُن کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں' اگر آپؐ اُن کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگیں گے تب بھی اللہ ہرگز اِن کو معاف نہ فرمائے گا۔''

مدینہ میں منافقین کے علاوہ یہود بھی رسول اللہ ﷺ کی توہین کا جرم کرتے رہتے تھے۔ اُنہیں حسد تھا کہ آخری نبی یہود میں سے کیوں نہیں آئے۔ اِس ضد کی وجہ سے وہ آپؐ سے دشمنی رکھتے تھے۔ اللہ نے اُن کے خبثِ باطن اور اُن کے خلاف وعیدوں کا ذکر اِس طرح کیا:

﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۹۰﴾ (البقرۃ)

''بری ہے وہ شے جس کے بدلے میں اُنہوں نے سودا کیا اپنی جانوں کا کہ اُنہوں نے کفر کیا اُس کلام کا جو اللہ نے نازل کیا' محض اِس بات سے جل کر کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی مہربانی سے (وحی) نازل فرماتا ہے' تو وہ غضب در غضب کے مستحق ہوئے' اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے''۔

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۴۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۴۷﴾ (النساء)

''یہ جو یہودی ہیں اِن میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو اُن کے اصل محل و مقام سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی (نہیں مانا) اور سنئے نہ سننے والے ہوتے ہوئے' اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (آپؐ سے گفتگو کے وقت) راعنا کہتے ہیں۔ اور اگر وہ (یوں) کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور (صرف) اِسْمع اور (راعنا کی جگہ) اُنْظُرْنَا (کہتے) تو یہ اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی' لیکن اللہ نے اُن کے کفر کے سبب اُن پر لعنت کر رکھی ہے' پس ایمان نہیں لائیں گے مگر اُن میں سے چند۔ اے کتاب والو! ایمان لے آؤ ہماری نازل کی ہوئی کتاب پر جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے' قبل اس کے کہ ہم لوگوں کے چہروں کو بگاڑ کر اُن کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا اُن پر اِس طرح لعنت کریں جس طرح سبت والوں پر کی تھی' اور اللہ نے جو حکم فرمایا سو (سمجھ لو کہ) پورا ہونے والا ہے''۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ

سَبِيْلاً ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ (النساء)

''یقیناً جو لوگ اللہ سے اور اُس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ بلا شبہ پکے کافر ہیں' اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے''۔

کعب بن اشرف یہودیوں کا ایک سردار تھا جسے اسلام اور اہلِ اسلام سے نہایت سخت عداوت اور جلن تھی۔ یہ نبی اکرم ﷺ کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور آپ ﷺ کے خلاف جنگ کی کھلم کھلا دعوت دیتا پھرتا تھا۔ جب جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوگئی تو اللہ کا یہ دشمن رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی دشمنی میں انتہاء پر پہنچ گیا۔ نبی اکرم ﷺ کی توہین میں اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی غیرت بھڑکانے کے لیے اشعار کہا کرتا تھا۔ مکہ جا کر قریش کی بدر میں شکست کے حوالے سے آتشِ انتقام کو اور بھڑکاتا رہا۔ اِن حالات میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے؟ کیوں کہ اُس نے اللہ کو ناراض کیا ہے اور اُس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دی ہے''۔ اِس کے جواب میں محمد بن مسلمہ' عباد بن بشر' سلکان ابن سلامہ' حارث بن اوس اور ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہم نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اِس مختصر سی جماعت نے جس کے کمانڈر محمد بن مسلمہؓ تھے' کعب بن اشرف کو جہنم واصل کیا۔ بعد کے ادوار میں بھی بعض بد باطن یہ جرائم کرتے رہے اور اللہ کی لعنت کے مستحق بنتے رہے۔

برعظیم میں توہینِ رسالت

برعظیم پاک و ہند میں توہینِ رسالت کبھی کھلم کھلا' کبھی دھوکہ و فریب کے پردے میں اور کبھی شریعت کے خلاف بعض اقدامات کے ذریعے کی گئی۔ اِس کی تفصیلات حسبِ ذیل ہیں:

۱) برعظیم میں ناموسِ رسالت پر پہلا حملہ مغلیہ دَور میں اکبر کی بادشاہت کے دوران ہوا۔ اِس دور میں مغلیہ حکومت کو ہندوستان میں بڑا عروج اور استحکام حاصل ہو چکا تھا۔ اکبر کے والد ہمایوں سے سوری خاندان نے حکومت چھین لی تھی اور ہمایوں کو حکومت کے دوبارہ حصول کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ اکبر کو بھی اندیشہ تھا کہ کہیں دوبارہ ہندوستان میں مغلیہ اقتدار خطرے سے نہ دوچار ہو جائے۔ اُسے سب سے زیادہ خطرہ ہندوستان میں بسنے والوں کے مذہبی اختلافات اور تفریق سے تھا۔ چند درباری علماء نے اکبر کو مذہبی تفریق

کے خاتمہ کے لیے یہ پٹی پڑھائی کہ چونکہ اللہ کا ایک دن ہماری تقویم کے اعتبار سے ایک ہزار برس کا ہے (سورۃ الحج کی آیت ۴۷ اور سورۃ السجدۃ کی آیت ۵) لہٰذا محمد ﷺ جو دین لائے تھے وہ صرف ایک ہزار برس کے لیے تھا' اب دینِ محمدی نہیں بلکہ دینِ الٰہی کی ضرورت ہے جس میں تمام مذاہب کی مشترکہ اقدار کو شامل کر لیا جائے' ہندوستان میں بسنے والے مختلف مذاہب کے لوگ دینِ الٰہی قبول کر کے اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔ دینِ الٰہی کے اِس فتنہ میں دراصل ایمان بالرسالت کی نفی تھی۔ کسی کا نبی اکرم ﷺ پر ایمان ہو یا نہ ہو ''دینِ الٰہی'' کے تحت سب ایک ہی دھرم میں شمار ہوں گے۔ اِس فتنہ کے خلاف اکبر اور جہانگیر کے ادوار میں پہاڑ کی طرح ڈٹ گئے حضرت مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ' جن کی تحسین اقبال نے اس طرح کی:۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدّد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

اِن اشعار میں اہم ترین لفظ ہے ''ملت''۔ یعنی مسلمانوں کا تعلق ایک ملت سے ہے جس کی بنیاد رنگ' نسل' وطن پر نہیں' بلکہ نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان ہے اور یہ ایمان ہی ''سرمایۂ ملت'' ہے۔

۲) انگریزی دورِ حکومت میں آنجہانی غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نبیٔ اکرم ﷺ کی کئی بار اپنی تحریر و تقریر میں توہین کی' مثلاً:

☆ آنحضرت (ﷺ) عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے' حالانکہ مشہور تھا کہ سور کی چربی اُس میں پڑتی ہے۔ (مکتوب مرزا غلام احمد قادیانی' الفضل ۲۲ جنوری ۱۹۶۴ء)

☆ اسلام محمد عربی کے زمانہ میں پہلی رات کے چاند کی طرح تھا اور مرزا قادیانی کے زمانہ میں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو گیا۔ (مرزا غلام احمد قادیانی' خطبہ الہامیہ' ص ۹۳)

☆ اگر ہمارے بھائی جلدی سے جوش میں نہ آ جائیں' تو میرا تو یہی مذہب ہے جس کو دلیل کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کے برابر نہیں مگر پھر بھی بعض پیشین گوئیوں کی نسبت آنحضرت (ﷺ) نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے اُن کی

اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی۔ (مرزا غلام احمد قادیانی' ازالۂ اوہام' ص ۴۰۰)

☆ خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہینِ احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرتﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ (مرزا غلام احمد قادیانی' ایک غلطی کا ازالہ' ص ۱۰)

☆ حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کا ذہنی ارتقاء آنحضرتﷺ سے زیادہ تھا۔ اِس زمانہ میں تمدنی ترقی زیادہ ہوئی اور یہ جزوی فضیلت ہے جو حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کو آنحضرتؐ پر حاصل ہے۔ آنحضرتؐ کی ذہنی استعدادوں کا پورا ظہور بوجہ تمدن کے نقص کے نہ ہوا اور نہ قابلیت تھی۔ (قادیانی مذہب' اشاعت ۹' ص ۲۶۶)

☆ یہ بالکل صحیح ثابت ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے بڑا درجہ پا سکتا ہے' حتیٰ کہ محمدؐ رسول اللہﷺ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ (ابن مرزا غلام احمد قادیانی' الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۲۲ء)

☆ ہمارے نبیﷺ کے نشانِ معجزات قریب تین ہزار کے ہیں۔ میری سچائی کے لیے تین لاکھ سے زیادہ آسمانی نشان ظاہر کیے گئے۔ (حقیقت الوحی' ص ۱۶۴) اگر تفصیلاً جدا جدا شمار کیا جائے تو قریباً سارے نشان دس لاکھ تک پہنچتے ہیں۔ (براہین' ج ۵' ص ۱۱۸)

غلام احمد قادیانی ملعون کے ایک پیروکار نے اُس کی مدح میں یہ اشعار کہے:

محمدؐ پھر اُتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں
محمدؐ دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

۳) ہندوستان میں متحدہ وطنی قومیت کا نظریہ بھی درحقیقت ایمان بالرسالت کے خلاف ایک سازش تھی۔ گاندھی جی نے کانگریس کے پلیٹ فارم سے تصور پیش کیا کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام افراد ایک ہی قوم ہیں' چاہے وہ ہندو ہوں' سکھ ہوں' عیسائی ہوں' پارسی ہوں یا مسلمان۔ اُس وقت اِس فتنہ کی زوردار نفی کی مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اور علامہ اقبال نے شاعری کی صورت میں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

7

۴) ۱۹۲۴ء میں ایک ہندو مصنف راج پال نے ایک انتہائی توہین آمیز کتاب لکھی جس میں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر بڑے اشتعال انگیز اسلوب میں حملے کیے۔ اِس کے جواب میں ایک طرف مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے ''مقدس رسولؐ'' لکھ کر مسلمانوں کو قلبی سکون پہنچایا اور دوسری طرف ایک محبِّ رسولؐ غازی علم دین نے راج پال کو جہنم واصل کیا اور پھر خود اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر کے پھانسی کی سزا قبول کی اور شہید کا لقب پایا۔

۵) ۱۹۳۳ء میں ایک ہندو نتھو رام نے ''ہسٹری آف اسلام'' کے نام سے ایک کتاب میں نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں سخت گستاخی کی۔ مسلمانوں نے اُس کے خلاف کراچی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ ۱۹۳۴ء میں ایک نوجوان غازی عبد القیوم نے عدالت میں مقدمے کی سماعت کے دوران نتھو رام پر چاقو سے بھرپور وار کر کے اُسے قتل کر دیا۔ انگریز جج نے ڈائس سے اُتر کر اُس سے پوچھا ''تم نے اِس شخص کو کیوں قتل کیا؟'' غازی عبدالقیوم نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ تصویر تمہارے بادشاہ کی ہے' کیا تم اپنے بادشاہ کی توہین کرنے والے کو موت کے گھاٹ نہیں اتارو گے؟ اِس ہندو نے میرے آقا کی شان میں گستاخی کی ہے جسے میری غیرت برداشت نہ کر سکی''۔

۶) سلمان رشدی ملعون نے توہینِ رسالت پر مبنی کتاب ''The Satanic Verses'' لکھی۔ اِس کے خلاف علماء کرام نے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا اور وہ خفیہ پناہ گاہوں میں روپوش ہونے پر مجبور رہے۔

۷) تسلیمہ نسرین ملعونہ نے بنگلہ دیش میں توہین آمیز مضامین لکھے۔ اِس کے خلاف بھی قتل کا فتویٰ دیا گیا' وہاں کی حکومت نے اُسے رازداری سے بیرونِ ملک فرار کرا دیا اور اب وہ بھی خفیہ پناہ گاہ میں محصور رہنے پر مجبور ہے۔

۸) قیامِ پاکستان کے بعد نفاذِ شریعتِ محمدی ﷺ سے گریز کر کے ہم نے بھی عملی اعتبار سے توہینِ رسالت کے جرم کا ارتکاب کیا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کی پامالی کا مرثیہ کہہ کر ہم نے مسلمانانِ برعظیم میں ایک احساسِ زیاں پیدا کیا اور نفاذِ شریعتِ محمدی ﷺ کی خاطر ایک آزاد ملک کے حصول کے لیے تحریک میں جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے کس دردمندی سے کہا تھا: ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے

مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

اور:

اے خاصہ ٔ خاصانِ رُسل وقتِ دعا ہے
اُمت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

اور:

اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضہ سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی

لیکن جب پاکستان کی صورت میں آزاد ملک حاصل ہوگیا تو نفاذِ شریعتِ محمدی ﷺ سے پہلوتہی کرتے ہوئے بڑے بڑے جرائم کیے جن کی تفصیل یہ ہے:

i) قراردادِ مقاصد کے ساتھ کھیل کھیلا۔ قراردادِ مقاصد کے الفاظ تھے کہ ''کوئی قانون سازی ایسی نہ ہوگی جو قرآن وسنت سے متصادم ہو''۔ اوّل تو ہم نے قراردادِ مقاصد کو دستور میں شامل کرنے کے حوالے سے تأخیر کی' پھر جب اِسے شامل کیا تو دستور کے عملی حصے میں رکھنے کے بجائے اُصولی حصے میں رکھا۔ بعدازاں دستور کے عملی حصہ میں لائے بھی تو اُسے دستور کی دیگر دفعات پر فوقیت نہ دی۔ لہٰذا یہ قرارداد' دستور کی غیراسلامی دفعات کوختم نہیں کرسکتی۔

ii) قدرت اللہ شہاب صاحب نے ''شہاب نامہ'' میں لکھا ہے کہ ایوب خان صاحب نے ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کے نام سے ''اسلام'' کا لفظ نکالنے کا فیصلہ کیا۔ مشرقی پاکستان کے عوام کے احتجاج پر اِس ناپاک فیصلہ پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔

iii) انگریزی دورِ حکومت میں مسلمانوں کے لیے عائلی قوانین ''محمڈن لاء'' کے نام سے شریعت کے مطابق نافذ تھے۔ ہندوستان میں آج بھی مسلم پرسنل لاء شریعت کے مطابق ہے۔ دوسری طرف ہم نے صدر ایوب خان کے دَور میں ۱۹۶۲ء میں اِن عائلی قوانین میں غیرشرعی دفعات داخل کردیں۔

iv) ۱۹۷۷ء میں بھٹو ہٹاؤ تحریک کے دوران عوام کو سڑکوں پر لانے کے لیے تحریک کو ''تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ'' کا نام دے کر قوم کے ساتھ دھوکہ کیا۔ تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کو

''پاکستان قومی اتحاد'' کے نام سے سیاسی جماعتوں کا ایک اتحاد چلا رہا تھا۔ اِس اتحاد میں ولی خان' اصغر خان' پیر صاحب پگاڑا جیسے لیڈر شامل تھے جنہوں نے کبھی بھی اسلام کے نفاذ کو اپنے منشور میں شامل نہیں کیا۔

v) سودی معاملات سے بچنے کی خواہش رکھنے والوں کو دھوکہ دیتے ہوئے سودی کھاتوں کا نام بدل کر نفع ونقصان میں شراکت (PLS) کر دیا۔

vi) قانونِ توہینِ رسالت بنایا' لیکن توہین کے مرتکب افراد کو بیرونی دباؤ پر پاکستان سے فرار ہونے میں تعاون کیا۔

vii) بینک انٹرسٹ کو رِبا قرار دینے کے حوالے سے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کو دھاندلی کے ذریعے کالعدم قرار دیا۔

viii) روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے نام پر اسلام کا ایک خودساختہ تصور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عام کیا جا رہا ہے جو مغربی تصورات سے تو ہم آہنگ ہے لیکن اُس کا نبی اکرم ﷺ کی سنت سے کوئی تعلق نہیں۔

ix) ''سب سے پہلے پاکستان'' کا گمراہ کن نعرہ لگایا جا رہا ہے' حالانکہ مبشرِ پاکستان علامہ اقبال نے کہا تھا:

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے!

توہینِ رسالت کے موجودہ واقعہ کا پس منظر

توہین آمیز خاکوں کی اشاعت میں یہودی ہاتھ ملوث ہے۔ ڈنمارک کے اخبار جیلنڈز پوسٹن (Jyllands Posten)' جس نے سب سے پہلے توہینِ رسالت پر مبنی خاکے شائع کیے' اُس کے ہیڈ کوارٹر کی عمارت پر اخبار کے logo کے ساتھ صیہونیوں (Zionists) کے مخصوص ستارے کا نشان بھی موجود ہے۔ یہود گریٹر اسرائیل کے قیام کے لیے مسلمانوں اور عیسائیوں کو لڑانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا:

۱) سوویت یونین کی تحلیل کے بعد تہذیبوں کے تصادم کا فلسفہ پیش کیا گیا اور اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا گیا۔

۲) میڈیا کے ذریعے عیسائی دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائی جا

رہی ہے۔ پچھلے کئی سالوں سے امریکی اور یورپی ٹیلی وژن پر دکھائے جانے والے پروگرام اور لاکھوں کی تعداد میں چھپنے والی مذہبی کتب بڑے زور شور سے اعلان کر رہی ہیں کہ غیر قوموں کی میعاد ختم ہوا چاہتی ہے اور نزولِ مسیحؑ کا زمانہ آن پہنچا ہے۔ مسیحی لٹریچر سے ناواقف آدمی اِن اعلانات میں مضمر اُن امنگوں کا اندازہ نہیں کرسکتا جو ایک نصرانی کے سینہ میں یہ اعلان سن کر جاگ اٹھتی ہیں۔ بائبل کے اِس بیان کو مسیحی اپنے لیے غیر قوموں پر غلبہ اور ارضِ مقدس یعنی شام پر قبضہ کی نوید سمجھتے ہیں جو اِس وقت تک ایک غیر قوم یعنی مسلمانوں کے تسلط میں ہے۔ یورپی ذرائع ابلاغ، لٹریچر اور اِن پروگراموں کے ذریعے دنیا بھر کے عیسائیوں کو اُن کی مذہبی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر آمادہ کیا جا رہا ہے۔ اِن ذمہ داریوں میں سرفہرست یہودیوں کو ارضِ مقدس میں لاکر بسانا ہے اور ارضِ مقدس کو غیر قوموں سے واگزار کرانا ہے۔

۳) ۱۱/۹ کے حادثہ کے پیچھے بھی یہودی سازش ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ امریکہ جیسے ملک میں طیارے اپنے اصل route سے ہٹ کر ایک گھنٹے تک محوِ پرواز رہیں اور اِس حوالے سے کوئی حفاظتی اقدام نہ ہو۔ ٹریڈ ٹاورز کی تباہی کے لیے سوچ سمجھ کر ایک منصوبہ بنایا گیا اور ساری دنیا کی ہمدردیاں حاصل کر کے افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کر دیا گیا، کیونکہ اُن کا مجاہدانہ جوش و خروش گریٹر اسرائیل کے لیے مستقل خطرہ تھا۔

۴) جھوٹے الزامات لگا کر عراق کے خلاف کارروائی کی گئی لیکن پورا یورپ امریکہ کے ساتھ نہیں آیا۔ جرمنی اور فرانس نے امریکی اقدام کی مخالفت کی۔ عیسائی دنیا میں امریکہ کے خلاف بڑے بڑے مظاہرے کیے گئے۔

۵) عراق کے معاملہ میں یورپ کے بھرپور ساتھ نہ دینے پر یہود کو تشویش ہوئی، لہٰذا برطانیہ میں ۷/۷ کا ڈرامہ کیا گیا تاکہ یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کو بھڑکایا جا سکے۔

۶) ڈنمارک اور بعد ازاں دیگر یورپی ممالک میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کی گئی تاکہ مسلمانوں کو مشتعل کیا جائے۔ اِسی دوران برطانوی فوجیوں کی عراقی قیدیوں کے ساتھ زیادتی خصوصاً ابوغریب جیل میں قیدیوں کے ساتھ زیادتی کی نئی ویڈیوز بھی منظرِ عام پر لائی گئیں، تاکہ نفرتیں اپنی انتہا کو پہنچ جائیں۔

عیسائی دنیا میں بعض دانشور یہود کی اِس سازش کو سمجھتے ہیں اور عوام کو اِس سے آگاہ بھی

کرتے ہیں، لیکن عیسائی ملکوں کی قیادت ''فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے'' کے مصداق یہودیوں کی آلۂ کار بن چکی ہے۔ یہ عیسائی قیادت مسلمانوں کے خلاف کسی بڑے اقدام سے پہلے اُن کی غیرت وحمیت کا اندازہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ بات منظرِ عام پر آچکی ہے کہ عیسائی حکومتیں مسلمانوں کے خلاف آخری صلیبی جنگ (The Last Crusade) کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔ ۹/۱۱ کے حادثہ کے بعد صلیبی جنگ کا لفظ صدر بش کی زبان پر بھی آ گیا تھا جس کی بعد میں معذرت پیش کی جاتی رہی۔ امریکی ریاست فلاڈیلفیا سے چھپنے والے رسالے ''The Philadelphia Trumpet'' کے اگست ۲۰۰۱ء کے شمارے کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے:

> Most people think the crusades are a thing of the past - over forever. But they are wrong. Preparations are being made for a final crusade, and it will be the bloodiest of all!

یہودی سازش کا نتیجہ

معاملہ ''**الملحمة العُظمی**'' یعنی اُن ہولناک جنگوں کی طرف جا رہا ہے جو قربِ قیامت میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوں گی اور جن میں بڑے پیمانے پر ہلاکتیں ہوں گی۔ احادیث میں اِن جنگوں کی پیشین گوئی اِس طرح کی گئی ہے:

> حضرت ذی مخبر ؓ فرماتے ہیں مَیں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: ''تم جلد ہی اہل روم کے ساتھ صلح کرو گے ایک بڑی صلح، پھر تم اور وہ مل کر ایک ایسے دشمن سے جنگ کرو گے جو تمہارے پیچھے ہے، پھر تمہیں مدد دی جائے گی اور تم لوٹ لاؤ گے (مالِ غنیمت) اور تم سلامت رہو گے، پھر تم پلٹو گے یہاں تک کہ ایک ٹیلوں والے نخلستان میں اترو گے، پھر ایک شخص نصرانیوں میں سے اٹھ کر صلیب کو بلند کرے گا اور کہے گا کہ صلیب غالب آگئی۔ اِس پر مسلمانوں میں سے ایک شخص غضبناک ہو جائے گا اور اُسے (صلیب کو) توڑ دے گا۔ اِس پر رومی صلح ختم کر دیں گے اور ملحمہ کے لیے جمع ہو جائیں گے''۔ بعض روایتوں میں مزید اضافہ ہے کہ: ''پھر مسلمان اپنے اسلحہ کی طرف لپکیں گے اور جنگ کریں گے، پس اللہ اِس جماعت کو شہادت سے عزت دے گا''۔ (سنن ابی داوٗد، کتاب الملاحم)
>
> حضرت عوف بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس غزوۂ تبوک میں حاضر ہوا۔ آپؐ چمڑے کے ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''چھ باتیں قیامت سے پہلے واقع ہوں گی' انہیں گن رکھو: میری موت' پھر بیت المقدس کی فتح' پھر ایک وبا پھیلے گی جو تم میں سے اِس طرح لوگوں کو لے جائے گی جیسے قعاص کی بیماری بکریاں چٹ کر جاتی ہے' پھر تم میں مال بہے گا یہاں تک کہ کسی شخص کو سو دینار دیے جائیں گے تو بھی وہ راضی نہ ہوگا' پھر ایک فتنہ پیدا ہوگا جو عرب کے کسی گھر میں بھی داخل ہوئے بغیر نہیں رہے گا' پھر تم میں اور بنوالاصفر میں صلح ہوگی تو وہ تمہیں دھوکا دیں گے اور تم پر اسّی (۸۰) علَم لے کر چڑھ دوڑیں گے۔ ہر علَم کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی''۔ (بخاری' جلد اول)

اِس حدیث پاک کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا واقعات کو بیان کرنے کے ضمن میں جو عام اسلوب تھا وہ سمجھ لیا جائے۔ آپ ﷺ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی جب کبھی خبر دیتے تو جتنے واقعات اپنے دَور سے قریب کے بیان فرماتے' عموماً اتنے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے دَور سے قریب کے بھی ارشاد فرماتے۔ درمیان کے عرصہ میں پیش آنے والے واقعات عموماً واقعات کے تسلسل میں بیان کرنے کے بجائے علیحدہ ذکر کر دیتے۔ یہ نکتہ اگر سمجھ میں آ جائے تو بہت سی احادیث جو بظاہر مشکل نظر آتی ہیں' آسان محسوس ہوں گی۔ اِس حدیث کے متن اور عالمِ واقعہ میں ان خبروں کے ظہور کی ترتیب بتا رہی ہے کہ یہ حدیث عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے پہلے عرب علاقہ میں چھ باتوں کے واقع ہونے کی خبر دے رہی ہے اور اِن میں سے تین باتیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے قریب ہیں اور تین نزولِ مسیحؑ سے قریبی زمانہ کی۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کے بعد جلد ہی آپ ﷺ کی وفات واقع ہوگئی' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بیت المقدس فتح ہوگیا اور اُنہی کے دور میں طاعونِ عمواس میں ہزاروں صحابہؓ جاں بحق ہوگئے۔ یہ تین نشانیاں تو آپ ﷺ کے دور کی تھیں۔ باقی ماندہ تین نشانیوں کے ظہور کا آغاز اِس صدی کی تیسری یا چوتھی دہائی سے ہوا۔ چنانچہ پچاس سال سے عربوں میں مال جس طرح بہہ رہا ہے اور زمین جس طرح اپنے خزانے اُگل رہی ہے' ہر شخص کو اس کا بخوبی علم ہے۔ اِس کے علاوہ مغربی تہذیب کا فتنہ جو ابتدائے عالم سے پیدا ہونے والے فتنوں میں سب سے زیادہ پُرآشوب' ایمان واسلام کے لیے مہلک ترین اور نفاق ومنافقت کی بدترین شکل ہے' ہر عرب گھرانے میں داخل ہو چکا ہے۔ اِس کے داخلہ کا سبب بھی یہی تیل کی دولت ہی ہے۔ اِس سلسلہ کی آخری نشانی یعنی عربوں اور بنوالاصفر (اہلِ یورپ) کی صلح اور عراق کے خلاف مشترکہ جنگی کارروائی کا منظر بھی دنیا نے دیکھ لیا ہے جو سنن ابی داؤد کی بیان کردہ روایت کے عین مطابق ہے۔ اب اِس چھٹی

نشانی کا باقی آدھا حصہ یعنی صلح شکنی اور عربوں پر عام یلغار باقی ہے۔ جہاں تک اسّی (۸۰) جھنڈوں کے زیرِ سایہ عیسائی فوجوں کے حملہ آور ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ وارسا کے ختم ہونے اور مشرقی ومغربی یورپ کے متحد ہو جانے کے بعد اب یہ ناممکن نہیں رہا کہ اسّی (۸۰) نصرانی ممالک مسلمانوں کے خلاف معرکہ میں حصہ لینے کے لیے کود پڑیں۔ خلیج کی پہلی جنگ میں عراق کے خلاف تمام عیسائی دنیا کا جو مثالی اتحاد سامنے آیا ہے' اِس نے بھی مستقبل قریب کے اِس حادثہ کے تصور کو ہمارے لیے آسان کر دیا ہے۔

اسّی (۸۰) جھنڈوں کے تحت عیسائیوں کا عربوں پر حملہ آور ہونا اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار کی متعین تعداد کا ہونا دو امکانی صورتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ کے بڑوں کی خوشنودی' اپنے مفادات کی تکمیل اور فتح میں اپنے حصہ کی یقین دہانی حاصل کرنے کے لیے ہر نصرانی ملک زور لگائے جس کے نتیجہ میں اسّی (۸۰) ممالک سے ایک متعین تعداد میں فوج مانگی جائے اور ہر ملک کی فوج کی تعداد بارہ ہزار ہو۔ دوسری امکانی صورت یہ ہے کہ ملکوں کی تعداد تو نہ معلوم رہے مگر جمع ہونے والی فوج کو اسّی (۸۰) ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر ڈویژن میں بارہ ہزار فوجی ہوں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اتحادی افواج کو صلح شکنی کے لیے اگرچہ بہانہ تو ایک مسلمان کے صلیب توڑ دینے سے مل جائے گا لیکن اِس کے بعد اسّی (۸۰) علم لے کر چڑھ دوڑنے کے اسباب ومحرکات کچھ اور بھی ہیں۔ اِن میں سے کچھ معاشی محرکات بھی ہیں اور کچھ مذہبی محرکات بھی' جو ایک کیمپ میں ہونے والی جھڑپ کو ایک عظیم جنگ میں بدل کر رکھ دیں گے۔

مسلمانوں کے لیے خوفناک صورتِ حال

صورتِ حال مسلمانوں پر ہولوکاسٹ جیسی تباہی کی طرف جا رہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰى بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ......))(۱)

''میری اُمّت پر بھی وہ تمام احوال وارِد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے' بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے۔''

تاریخی اعتبار سے بنی اسرائیل پر عذاب کے تین کوڑے برسے۔ پہلا مشرق سے حملہ آور ہونے والے کلدانیوں کے ہاتھوں ۵۸۷ قبل مسیح میں' دوسرا ۷۰ عیسوی میں شمال سے

(۱) سنن الترمذی' کتاب الایمان' باب ما جاء فی افتراق هذه الامة۔

آنے والے رومیوں کے ہاتھوں اور تیسرا دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہٹلر کے ہاتھوں جسے ہولوکاسٹ کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں پر اب تک دو بار عذاب کے دو تازیانے پڑ چکے ہیں۔ پہلا مشرق سے آنے والے تاتاریوں کے ہاتھوں ۱۲۵۶ء میں اور دوسرا شمال سے آنے والی یورپی اقوام کے ہاتھوں' جب ۱۹۲۴ء میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اِس سلسلہ میں تفصیلات بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کی کتاب ''تنظیمِ اسلامی کا تاریخی پس منظر'' میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ اب مسلمانوں پر تیسرے عذاب کے آثار نظر آرہے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے بڑی توہینِ رسالت کا ارتکاب خود مسلمان کر رہے ہیں۔ نمازوں سے غفلت' بے پردگی وفحاشی' ملاوٹ' ذخیرہ اندوزی' جھوٹ' دھوکہ دہی' حرام خوری کی طرح طرح کی صورتیں' سودی معاملات' اسلامی بینکنگ کے نام پر فراڈ' قتل و غارت گری' خوشی وغمی کے مواقع پر بدعات و ہندوانہ رسومات' نئے عیسوی سال کی آمد پر ہلڑبازی' بسنت اور ویلنٹائن ڈے جیسے غیر اسلامی تہواروں کا ذوق وشوق' غرض ہر برائی ہمارے کردار میں موجود ہے۔ ہم اِس وقت دنیا میں دینِ اسلام کے نمائندے ہیں' لیکن اپنے غلط کردار کی وجہ سے اسلام کی غلط تصویر لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ ہمارے منافقانہ طرزِ عمل کا مظہر یہ ہے کہ ایک طرف ہم توہینِ رسالت کے جرم پر احتجاج کر رہے ہیں اور ساتھ ہی پورے جوش وخروش سے اقوامِ غیر کے ساتھ کرکٹ میچ بھی کھیل رہے ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ایک روز مدرسۂ دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے درسِ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بخاری شریف کا سبق ہو رہا تھا' مشہور حدیث گزری کہ تم میں سے کوئی اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اُسے اُس کے والد' بیٹے اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ حدیث مشہور اور جانی پہچانی ہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ بحمد اللہ عام مسلمان بھی سرکارِ کائنات ﷺ کے متعلق محبت کی اِس دولت سے سرفراز ہیں' جس کی دلیل یہ ہے کہ ماں باپ کی توہین کو تو ایک حد تک مسلمان برداشت کرلیتا ہے' زیادہ سے زیادہ گالیوں کے جواب میں بھی گالیوں پر اتر آتا ہے لیکن رسالت مآب ﷺ کی ہلکی سی سبکی بھی مسلمانوں کو اِس حد تک مشتعل کر دیتی ہے کہ ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں۔ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جان پر لوگ کھیل گئے۔ سن کر حضرت نے فرمایا کہ ہوتا بے شک یہی ہے جو تم نے کہا' لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟

تہہ تک تمہاری نظر نہیں پہنچی۔ محبت کا اِقتضاء یہ ہے کہ محبوب کی مرضی کے آگے ہر چیز قربان کی جائے لیکن عام مسلمانوں کا جو برتاؤ آنحضرت ﷺ کی مرضیٔ مبارک کے ساتھ ہے' وہ بھی ہمارے تمہارے سامنے ہے۔ پیغمبر ﷺ نے ہم سے کیا چاہا تھا' اور ہم کیا کر رہے ہیں' اِس سے کون ناواقف ہے۔ پھر سبکی آپ ﷺ کی جو مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت بن جاتی ہے' اُس کی وجہ محبت تو نہیں ہو سکتی۔ خاکسار نے عرض کیا' تو آپ ہی فرمائیں کہ اِس کی صحیح وجہ کیا ہے؟ نفسیاتِ انسانی کے اِس مبصرِ حاذق نے فرمایا کہ سوچو گے تو درحقیقت آنحضرت ﷺ کی سبکی میں اپنی سبکی کا غیر شعوری احساس پوشیدہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی خودی اور انانیت مجروح ہوتی ہے' ہم جسے اپنا پیغمبر اور رسول مانتے ہیں' تم اُس کی اہانت نہیں کر سکتے۔ چوٹ درحقیقت اپنی اسی ''ہم'' پر پڑتی ہے' لیکن مغالطہ ہوتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کی محبت نے انتقام پر اُن کو آمادہ کیا ہے۔ نفس کا یہ دھوکہ ہے۔ جو اپنی جگہ ٹھنڈے دل سے غور کرے گا' اپنے طرزِ عمل کے تناقض کے اِس نتیجے تک پہنچ سکتا ہے۔ بہرحال محبوب کی مرضی کی جسے پرواہ نہ ہو' اذان ہو رہی ہے اور لایعنی اور لاحاصل گپوں سے بھی جو اپنے آپ کو جدا کر کے مؤذن کی پکار پر نہیں دوڑتا' اُسے انصاف سے کام لینا چاہیے کہ محبت کا دعویٰ اُس کے مُنہ پر کس حد تک پھبتا ہے۔ حضرت والا کی تقریر کا یہی خلاصہ تھا۔ ظاہر ہے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ سر جھکا لینے کے سوا اُن کی اِس نفسیاتی تنبیہہ کے بعد میرے لیے کچھ اور پوچھنے کی گنجائش ہی کیا باقی رہی تھی۔''

لائحۂ عمل

۱) اپنے ذاتی کردار کو نبی اکرم ﷺ کی شریعت کے مطابق استوار کریں تاکہ مختلف فتنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شاملِ حال ہو۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ؕ﴾ (الرعد: ۱۱)

مولانا الطاف حسین حالی نے ان الفاظِ قرآنی کی ترجمانی شعر کی صورت میں یوں کی ہے: ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بائبل میں مذکور ہے کہ اُنہوں دیکھا کہ کچھ لوگ بڑے

غیظ وغضب کے ساتھ ایک شادی شدہ عورت کو زنا کا جرم ثابت ہونے کی وجہ سے سنگسار کرنے لے جارہے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ بھی اُن کے ساتھ شامل ہوگئے۔ عورت کو ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا اور اب پتھر مارنے کا آغاز ہونے والا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ نے آواز لگائی: ''ٹھہر جاؤ! پہلا پتھر وہ مارے جس نے خود کبھی زنا نہ کیا ہو''۔ مجمع پر سکوت طاری ہوگیا اور رفتہ رفتہ لوگ وہاں سے منتشر ہوگئے۔ اِسی طرح ہم بھی توہینِ رسالت کے حوالے سے مظاہروں میں تو بڑے پُر جوش ہیں لیکن اپنا جائزہ لیں کہ کہیں شریعتِ محمدی ﷺ کی تعلیمات سے پہلوتہی کر کے ہم خود بھی توہینِ رسالت کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟

۲) عالمِ اسلام اور عالمِ عیسائیت میں نفرتیں اِس قدر بڑھ چکی ہیں کہ تصادم ناگزیر ہے۔ اگر اِس موقع پر غیرتِ ایمانی کا مظاہرہ نہ کیا گیا تو جسارتیں اور بڑھیں گی۔ لہٰذا تحریر، تقریر اور ریلیوں کے ذریعے پرامن اور منظّم احتجاج کیا جائے۔ ہڑتالوں، توڑ پھوڑ اور آتش زنی سے ہم اپنا ہی نقصان کریں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾﴾ (آلِ عمران)

''(اے اہلِ ایمان!) تم اہلِ کتاب سے اور اُن لوگوں سے جو مشرک ہیں، بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے، تو اگر صبر اور پرہیز گاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔''

ہڑتالیں، توڑ پھوڑ اور آتش زنی احتجاج کی وہ صورتیں ہیں جو تقویٰ کے خلاف ہیں۔

حسبِ ذیل مطالبات کی منظوری تک احتجاج جاری رہنا چاہیے:

☆ مجرم ممالک سے سفارتی تعلقات، تجارتی روابط اور دیگر معاہدات اُس وقت تک منقطع کیے جائیں جب تک وہ توہینِ رسالت کے مجرمین کو قرارِ واقعی سزا نہ دیں۔

☆ اقوامِ متحدہ کے مسلم ممبر ممالک جنرل اسمبلی میں توہینِ انبیاء کی روک تھام اور مجرمین کو احتساب کے شکنجے میں لانے کے لیے قانون سازی کا بل پاس کرائیں۔

۳) نظامِ خلافت کے قیام کی کوشش کریں تاکہ دنیا کو اسلام کا عادلانہ نمونہ دکھایا جا سکے اور پھر سے اُس عالمی عادلانہ نظام کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے جس کی خوشخبری احادیثِ مبارکہ میں دی گئی ہے۔ سوائے ایران کے تمام مسلم ممالک میں مغرب کے ایجنٹ حکمران ہیں۔ اِن کی وجہ سے مغرب کو اپنے مفادات خطرے میں نظر نہیں آرہے۔ اِن حکمرانوں کی

وجہ سے او آئی سی کا کردار نہایت غیر مؤثر بلکہ مجرمانہ ہے۔عوام احتجاج کر کے چند روز میں خاموش ہو جائیں گے‘راوی چین لکھے گا اور عالم کفر ہماری بے بسی پر خندہ زن ہوگا۔ بلاشبہ مظاہرے اِس دور میں احتجاج ریکارڈ کرانے کی ایک صورت ہے لیکن اصل کام یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایسی اسلامی ریاست قائم کی جائے جو جرأت کے ساتھ فتنوں کو چیلنج کر کے اُن کا سدّ باب کر سکے۔ دشمنوں کو اصل نفرت اسلام سے ہے اور اُن کی سازشوں کا مُنہ توڑ جواب یہ ہے کہ ہم اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم کر کے اُن کے عزائم کو خاک میں ملا دیں۔

۴) عالمِ عیسائیت کو اصل دشمن یعنی یہود کی سازش سے آگاہ کیا جائے اور اُنہیں بتایا جائے کہ:

☆ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نزدیک بھی معجزے کے ذریعہ پیدا ہوئے اور عیسائیوں کے نزدیک بھی‘ جبکہ یہودی انہیں ولدالزنا (معاذ اللہ) قرار دیتے ہیں۔

☆ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے اور عیسائیوں کے نزدیک اللہ کے رسول ہیں جبکہ یہودیوں کے نزدیک مرتد ہیں (معاذ اللہ)۔

☆ ہمارا اور عیسائیوں کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے اور وہ دنیا میں واپس آئیں گے‘ جبکہ یہودی دجّال کے منتظر ہیں۔

۵) تمام نوعِ انسانی اور بالخصوص اہلِ کتاب کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی دعوت دی جائے‘ کیونکہ اِسی میں اُن کی خیر و بھلائی ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷۰﴾ (النساء)

’’لوگو! اللہ کے پیغمبر تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں‘ تو (اِن پر) ایمان لاؤ‘ (یہی) تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم کفر کرو گے تو (جان رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے‘ اور اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔‘‘

۶) عیسائیوں کو اِس بات کی ترغیب و تشویق دلائی جائے کہ اگر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں تو اُن کے لیے دہرا اجر ہوگا۔ سورۃ الحدید میں عیسائیوں کو خطاب کرتے

ہوئے فرمایا گیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸﴾

(الحدید)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے (اللہ پر اور عیسیٰؑ تک تمام پیغمبروں پر)! اللہ کی نافرمانی سے بچو اور ایمان لاؤ اُس کے رسولؐ پر، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے وہ نور پیدا کردے گا جس کے ساتھ تم چلو گے (پل صراط پر) اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے''۔

حقیقت واقسامِ شرک (۳)

بانئ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

نحمدہٗ ونصلی علٰی رَسولہِ الکریم ...... امَّا بَعد:

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ ۔ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣاِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝۱۳﴾ (لقمٰن) ...... صدق اللّٰہ العظیم

''اور یاد کرو جب کہ لقمان نے کہا اپنے بیٹے سے' اور وہ اسے نصیحت کر رہے تھے' کہ اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجیو' یقیناً شرک بہت بڑا ظلم (اور بہت بڑی ناانصافی) ہے''۔

مسئلۂ نور و بشر

گزشتہ دو نشستوں میں الحمد للہ اقسامِ شرک کے حوالے سے شرک کی پہلی قسم ''شرک فی الذات'' کی بحث مکمل ہو چکی ہے۔ اس نشست میں شرک کی دوسری قسم ''شرک فی الصفات'' کی بحث شروع کرنے سے پہلے میں ایک اہم علمی نکتے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے ہاں ایک مسئلہ مذہبی بحث ونزاع کا موضوع بنا ہوا ہے۔ وہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی ''بشریت'' اور ''نور'' کا مسئلہ ہے کہ آپؐ بشر تھے یا نور۔ عوامی سطح پر جو مذہبی جلسے ہوتے ہیں ان میں اکثر و بیشتر اسی مسئلے پر گفتگو ہوتی ہے' دھواں دار تقریریں ہوتی ہیں جن میں جوش وخروش اور غیظ وغضب کا اظہار رہوتا ہے۔ ایک گروہ

رسول اللہ ﷺ کی بشریت کی نفی اور نورانیت کے اثبات پر اور دوسرا گروہ آپؐ کی نورانیت کی نفی اور بشریت کے اثبات پر بہت زیادہ زور لگاتا ہے جس سے مناظرے اور مباحثے کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور ایک نزاع کا عالم پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نزاع کا قطعاً کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس سلسلے میں محض کھینچ تان اور جوشیلی تقریروں کی وجہ سے بات بگڑتی ہے اور فریقین میں باہم شدت اور تلخی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

جان لیجیے کہ نبی اکرم ﷺ کے معاملے میں نہ یہ کہنا درست ہے کہ آپ ﷺ بشر نہیں تھے بلکہ نور تھے اور نہ یہ کہنا درست ہے کہ آپؐ نور نہیں تھے بلکہ بشر تھے۔ دونوں باتیں یکساں غلط ہیں' اصل حقیقت یہ ہے کہ آپؐ بیک وقت بشر بھی تھے اور نور بھی تھے۔ اور یہ معاملہ صرف رسول اللہ ﷺ کا نہیں ہے بلکہ میرا اور آپ کا اور ہر انسان کا ہے۔ ہر انسان کے اندر اس کے وجود کے دو حصے ہیں۔ ایک اس کا ''حیوانی'' وجود ہے۔ وہ خاکی الاصل ہے جو اِس زمین سے بنا ہے۔ وہ اپنی اصل کے اعتبار سے ظلمانی ہے۔ اس میں تاریکی ہے' اس میں پستی کا رجحان ہے' اس میں برائی کا میلان ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ م بِالسُّوْٓءِ﴾ (یوسف:۵۳) ''اور میں اپنے نفس کی براءت نہیں کر رہا ہوں' یقیناً نفس تو برائی پر اُبھارتا ہے''۔ لیکن انسان مجرد اِس پستی اور خاکی الاصل وجود ہی کا نام نہیں ہے' بلکہ اس کے وجود کا دوسرا حصہ ''روح'' ہے۔

نقطۂ نوری کہ نامِ او خودی
زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی

انسانِ اوّل کو آدم علیہ السلام بنانے والی چیز یہی روحِ خداوندی تھی جو اُن میں پھونکی گئی۔ اور وہ روح خاکی اور ظلمانی نہیں ہے' بلکہ نورانی حقیقت رکھنے والی شے ہے۔ وہ ملائکہ کی ہم پلہ ہی نہیں ملائکہ کی مسجود ہے۔ ملائکہ نوری الاصل ہیں تو کیا روح خاکی الاصل ہے؟ نہیں' روح خاکی اور ظلمانی نہیں ہے' بلکہ نورانی ہے۔ بقولِ اقبال: ؎

ہے ذوقِ تجلی بھی اِسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

حواسِ خمسہ یعنی دیکھنا، سننا، سونگھنا، چکھنا اور چھونا تو حیوانات میں بھی ہیں! انسان نے بھی اپنی حقیقت اگر یہی سمجھی تو اُس نے گویا اپنی اصل عظمت کو نہیں پہچانا۔ ادراک تو اصل میں اپنے سے باہر کی کسی شے کو محسوس کرنا ہے، جبکہ روشنی تو خود اپنا ظہور چاہتی ہے، اپنی تجلی چاہتی ہے۔ تو انسان کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے وجود کے دو حصے ہیں، ایک اس کا یہ حیوانی وجود ہے، جو خاکیُ الاصل ہے، ظلمانیُ الاصل ہے۔ اس کا میلان پستی اور گناہ کی طرف ہے۔ اور ایک اس کا روحانی وجود ہے جو نورانیُ الاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا تھا: ﴿فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۲۹﴾﴾ (الحجر) ''پس جب میں اسے (آدم علیہ السلام کو) بنا سنوار لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونکوں تو گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں''۔ یہاں روح کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے۔

تو یہ ہے ہمارا وہ نورانی عنصر جو ہر ایک انسان میں ہے۔ لیکن ع ''در حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی'' کے مصداق سب کا نور برابر تو نہیں ہے۔ کسی کا محض ایک ٹمٹماتا ہوا دیا ہے۔ کسی کی اس نورانیت پر اس کے نفس کی ظلمانیت اس طرح چھا گئی ہے کہ وہ نور معدوم کے درجے میں ہے۔ یعنی اس کی فطرت کا نور بجھ چکا ہے، جبکہ کسی کا وہ نور اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اس کی تمثیل یوں بیان کی ہے: ﴿یَکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ﴾ (النور: ۳۵) ''(کسی کی فطرت کا نور اتنا صاف اور شفاف ہے کہ) بھڑک اٹھنے کو بے تاب ہے، چاہے اسے آگ نے چھوا تک نہ ہو۔ روشنی پر روشنی ہے۔'' یہ ہے وہ نور جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں موجود تھا۔ ابھی وحی کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا، لیکن ان کے اندر اخلاقِ حسنیٰ کے انوار پہلے سے موجود تھے۔ ایسے ہی تمام صدیقین اور انبیاء علیہم السلام کے اندر نورِ فطرت موجود ہوتا ہے۔ اب اس تناظر میں دیکھئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیتِ مبارکہ چونکہ

بلندترین ہے تو آپؐ کی نورانیت بھی اتنی کامل ہے کہ اس نے خاکی وجود کی ظلمانیت کو بالکل معدوم کر دیا ہے۔ اس معنیٰ میں اگر کہا جائے کہ نبی اکرمﷺ نورِ مجسم ہیں تو غلط نہیں ہے۔

تو یہ دونوں چیزیں بیک وقت صحیح ہیں۔ نبی اکرمﷺ بیک وقت بشر بھی ہیں اور نور بھی ہیں۔ آپؐ کی بشریت کا کون انکار کرے گا! آپﷺ کی ولادت ہوئی ہے جیسے کسی انسان کی ولادت ہوتی ہے۔ آپؐ کے بھی وہی دو ہاتھ اور دو پاؤں تھے۔ وہی انسانی خون آپ کے وجود میں بھی سرایت کیے ہوئے تھا اور گردش کر رہا تھا۔ طائف میں آپؐ پر پتھراؤ ہوا ہے تو زخموں میں سے خون رسا ہے۔ میدانِ اُحد میں جب تلوار کا وار آپؐ کے چہرۂ مبارک پر لگا ہے تو خون کا فوارہ چھوٹا ہے۔ اسی طرح آپﷺ نے شادی کی ہے اور آپؐ کے ہاں اولاد ہوئی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود نبی اکرمﷺ کی نورانیت کی نفی ہرگز نہ کیجیے! آپؐ کی نورانیت کی نفی درحقیقت اِس دَور کا مادّہ پرستانہ فکر ہے جو میری آج کی بحث کا اصل موضوع ہے۔ ہم نے مادہ پرستانہ فکر اپنے ذہنوں پر اتنا مسلط کر لیا ہے کہ ہم روح کی حقیقت اور اس کے جداگانہ تشخص سے یا تو بالکلیہ منکر ہو گئے ہیں یا اس کا زبان پر ذکر لاتے ہوئے ہمیں حجاب محسوس ہوتا ہے۔ بقول اکبرالٰہ آبادی: ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں!

کہ روحانیت کی باتیں کرتے ہو؟ روح کی بات کرتے ہو؟ روح کو کوئی علیحدہ وجود مانتے ہو؟ تو یہ چیزیں ہمارے فکر اور نظریات کے دائرے سے اس طور سے باہر چلی گئی ہیں کہ اب ہم سمجھتے ہیں کہ انسان تو بس اسی حیوانی وجود کا نام ہے۔ ہم اپنے اس وجودِ حیوانی ہی کو اصل انسان سمجھے بیٹھے ہیں' اس لیے نورانیت کی نفی ہو رہی ہے۔

اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہمارا جو نورانی عنصر ہے' ایمان اور عملِ صالح سے اس کی نورانیت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے برعکس گناہوں اور نفسانیت سے یہ

نور بجھتا چلا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الحدید اور سورۃ التحریم میں دو جگہ میدانِ حشر کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اُس دن اہل ایمان کی شان یہ ہوگی کہ:

﴿يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾﴾ (الحدید)

''اُس دن آپ مؤمن مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور اُن کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ (اُن سے کہا جائے گا) آج بشارت ہے تمہارے لیے ایسے باغات کی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔''

آگے منافقین کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ج قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ط﴾ (آیت ۱۳)

''اُس دن منافق مردوں اور عورتوں کا حال (جو دنیا میں چراغ گل کر کے جائیں گے) یہ ہوگا کہ وہ اہل ایمان سے استدعا کریں گے: ذرا ہماری طرف دیکھو (ذرا ہمیں مہلت دو)' تاکہ ہم تمہارے نور سے استفادہ کریں۔ کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف (اگر ہوسکتا ہے تو دنیا میں واپس جاؤ) اور اس نور کی تحصیل کر کے آؤ۔''

سورۃ التحریم میں ہے:

﴿نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٨﴾﴾

''اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ: اے ہمارے ربّ! ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہم سے درگزر فرما' یقیناً تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

اس نور کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ قیامت کے دن کسی کا نور بس اتنا ہوگا کہ اس سے صرف اس کے قدموں کے آگے روشنی ہو جائے گی' اور کسی کا

نور اِس قدر ہوگا کہ اس کی روشنی مدینہ منورہ سے صنعاء تک پہنچے گی۔ یعنی اُس روز کسی کا نور بہت تھوڑا ہوگا کہ بس اس سے قدموں کے آگے آگے روشنی ہوگی۔ اور قیامت کے دن یہ نور بھی بہت غنیمت ہوگا جس کو نصیب ہوگیا۔ اس لیے کہ اندھیرے میں ایک ٹارچ بھی بہت غنیمت ہوتی ہے جس سے آپ بالآخر منزلِ مراد تک پہنچ سکتے ہیں۔ جبکہ کسی کا نور اُس روز بہت زیادہ ہوگا جس سے ہر سو چراغاں ہو جائے گا۔ یہ حفظِ مراتب ہے۔ اس تناظر میں دیکھئے تو محمدٌ رسول اللہ ﷺ کا نور کس قدر ہوگا! تو اِن باتوں کو ذہن میں رکھیے تو جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ بیک وقت ''بشر'' بھی ہیں اور ''نور'' بھی ہیں۔ اور یہی معاملہ ہم سب کا بھی ہے۔ ہمارا ایک روحانی وجود ہے جو نوری الاصل ہے اور ایک مادی وجود ہے جو خاکی الاصل ہے اور ہماری شخصیتوں میں ان دونوں کا امتزاج ہے۔ کسی کی ظلمانیت اس نور پر ایسے غالب آ گئی ہے کہ نور معدوم ہو گیا ہے اور کسی کی ظلمانیت پر اس کی نورانیت کا اتنا غلبہ ہو گیا ہے کہ اس کی ظلمانیت کافور ہو گئی ہے۔

اسی حقیقت کو حدیث نبویؐ کی روشنی میں اس طرح سمجھ لیجیے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدۡ وُکِّلَ بِہٖ قَرِیۡنُہٗ مِنَ الۡجِنِّ)) قَالُوۡا : وَاِیَّاکَ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: ((وَاِیَّایَ اِلَّا اَنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیۡ عَلَیۡہِ فَاَسۡلَمَ فَلَا یَاۡمُرُنِیۡ اِلَّا بِخَیۡرٍ)) (۱)

''تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے ہمراہ ایک ساتھی شیطان نہ سونپ دیا گیا ہو''۔ صحابہ کرامؓ نے (بڑی ہمت کر کے) دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپؐ بھی؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں میں بھی' مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری مدد فرمائی تو میں نے اسے مسلمان بنا لیا۔ اب وہ مجھے سوائے بھلائی کے کوئی اور مشورہ نہیں دیتا۔''

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب صفة القیامة والجنة والنار' باب تحریس الشیطان وبعثہ سرایاہ لفتنة الناس وان مع کل انسان قرینا۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا بات کو سمجھانے کا ایک انداز تھا۔ بہرحال وہ نفس تھا تو سہی رسول اللہ ﷺ کے اندر بھی۔ آپؐ کا بطنِ مبارک بھی کھانے کو مانگتا تھا۔ بھوک کا احساس محمد ﷺ کو بھی ہوتا تھا۔ بھوک کی وجہ سے آپؐ پر بھی نقاہت طاری ہوتی تھی۔ طائف میں پتھراؤ کی وجہ سے جب بہت زیادہ خون بہا تو آپؐ پر نقاہت طاری ہوئی اور آپؐ بیٹھ گئے۔ اسی طرح اُحد میں بھی بہت زیادہ خون بہنے کی وجہ سے آپؐ پر نقاہت طاری ہوئی اور آپؐ بے ہوش ہو گئے۔ آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' اس لیے کہ انسانی عواطف ومیلانات اور احساسات وجذبات آپؐ کی شخصیت میں بتمام وکمال موجود تھے۔ لیکن ان چیزوں کی وجہ سے کبھی آپ ﷺ سے (معاذ اللہ) خدا کی معصیت کا صدور ممکن نہیں ہوا۔ آپؐ کو تمام بشری تقاضوں اور آثارِ طبیعی پر اس قدر قابو تھا کہ کوئی بھی چیز آپؐ سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرا سکی۔

مسلمانوں میں اَوتار کا تصور

گزشتہ نشست میں مَیں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ہندوؤں کے ہاں نو اَوتار تھے' ایک دسواں اَوتار اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں نے اُن میں شامل کر لیا ہے۔ اب اس بات کی ذرا تفصیل جان لیجیے! دراصل شیعیت کی بہت سی شاخیں ہیں۔ ہمارے ہاں جو معروف شیعہ ہیں وہ ''اثنا عشری'' ہیں' یعنی پہلے بارہ اماموں کے ماننے والے۔ ان کے خیال میں بارہویں امام غائب ہو گئے جو امامِ منتظر کہلاتے ہیں اور وہ اُن کے انتظار میں ہیں کہ دوبارہ آئیں گے۔ چھٹے امام پر ایک شاخ علیحدہ ہوگئی جو ''شش امامیہ'' کہلاتے ہیں۔ یعنی پہلے چھ امام تو ''اثنا عشری'' اور ''شش امامیہ'' کے مابین مشترک ہیں' لیکن اسماعیل' جو امام جعفر صادقؒ کے بڑے صاحبزادے تھے' ان سے اِن شش امامیہ والوں کی شاخ الگ ہوگئی۔ شش امامیہ والوں کی بھی آگے چل کر دو شاخیں ہوگئیں۔ ایک شاخ وہ ہے جو ہمارے ہاں ''بوہرے'' کہلاتے ہیں۔ ان کے غالباً ۳۲ ویں امام غائب ہو گئے۔ طاہر سیف الدین' جن کا انتقال ہو گیا' اور برہان

الدین جو بمبئی میں رہتے ہیں‘ ان کے مذہبی پیشوا ہیں۔ یہ امام نہیں کہلاتے بلکہ داعی کہلاتے ہیں۔شش امامیہ کی دوسری شاخ ’’اسماعیلی‘‘ ہے۔ان کے کہنے کے مطابق ان کے امام غائب نہیں ہوئے‘ بلکہ امامت کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ چل رہا ہے۔اِس وقت پرنس کریم آغا خان ان کے امامِ حاضر ہیں۔ یہ امام کو معصوم مانتے ہیں۔

پیر شمس الدین سبزواری (۱) اور دیگر اسماعیلی مبلغین کے ذریعے اسماعیلیت کی دعوت جب ہندوستان میں دی گئی تو ان مبلغین نے دعوت وتبلیغ کے لیے یہ حکمتِ عملی اختیار کی کہ چونکہ ہندوؤں کو مسلمان بنانا آسان کام نہیں‘ لہٰذا ان کے عقیدوں کے ساتھ ہی ذرا اپنے عقیدے کو جوڑ و تو بات بن جائے گی۔ ہندو نو اَوتار مانتے تھے‘ انہوں نے یہ کہا کہ نو اَوتار تمہارے ہیں اور دسواں اَوتار ایک اور آیا ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔اس مذہب میں ’’دشم اَوتار‘‘ یعنی دسواں اَوتار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانا جاتا ہے۔ اَوتار یا Incarnation کا یہ عقیدہ باضابطہ طور پر ان کے عقائد میں شامل ہے۔

دوسرا کام ان مبلغین نے یہ کیا کہ ہندوستان میں نئے ایمان لانے والوں پر سے شریعت ساقط کر دی۔ظاہر بات ہے اگر کسی کو اسلام یا دین کی تعلیم دی جائے اور اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ پانچ نمازیں بھی پڑھنی پڑیں گی‘ تیس روزے بھی رکھنے پڑیں گے‘ تو وہ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے دس دفعہ خوب سوچے گا۔لیکن اگر اسے یہ کہا جائے کہ کوئی شریعت تم پر لاگو نہیں ہو گی‘ بس تم کلمہ پڑھو‘ تو اس کے لیے اب کام آسان ہو جائے گا۔ جیسے سینٹ پال نے کہا تھا کہ بس حضرت مسیح (علیہ السلام) کو مان لو تو تمہارے گناہوں کی طرف سے وہ پیشگی کفارہ ہو جائیں گے‘ تمہارے اوپر شریعت کا بھی بوجھ نہیں ہو گا اور حلال وحرام کی قید بھی نہیں ہو گی‘ چاہے خنزیر کھاؤ اور شراب پیو۔ چنانچہ ان کے ہاں پہلے سے جو مشرکانہ عقائد تھے ان پر عمل پیرا رہتے ہوئے اپنی تثلیث بنا لی اور حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا قرار دے کر اس عقیدے سے اپنے مذہب کو جوڑ دیا۔ تو اس

(۱) ان کا مزار ملتان میں ہے جو خواہ مخواہ شمس تبریز کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ حالانکہ شمس تبریز کا ملتان میں آنے کا کوئی سوال اور امکان ہی نہیں ہے۔

طرح سے سینٹ پال والی عیسائیت جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ بعینہٖ یہی کام ہندوستان میں اسماعیلی داعیوں نے کیا کہ شریعت ساقط قرار دے دی۔ لہٰذا ہمارے آغا خانیوں کے ہاں نماز روزہ وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ ان کی مسجدیں نہیں ہوتیں، محض جماعت خانے ہوتے ہیں اور ان کی حیثیت کلبوں اور چوپال کی ہے جہاں وہ آ کر بیٹھتے ہیں اور ساتھ مل کر کھانا وغیرہ کھاتے ہیں۔ جماعت خانہ ان کی سوشل لائف کا ایک مرکز ہے۔ باقی یہ کہ شریعت اُن سے ساقط ہے۔ البتہ ہمارے شمالی علاقے ہنزہ اور چترال میں جو اسماعیلی آباد ہیں، ان کے ہاں شریعت موجود ہے۔ اس لیے کہ وہ local converts نہیں ہیں، بلکہ وہ ایران سے آئے تھے۔ جبکہ بمبئی اور کاٹھیاواڑ وغیرہ کے علاقے میں مقامی لوگوں نے جو اسماعیلیت قبول کی ہے اس میں ایک تو شریعت ساقط ہے اور دوسرے حضرت علی رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے دسویں اَوتار ہیں۔ ہندوستان میں نو اَوتار پہلے سے پوجے جا رہے تھے، پھر دسواں اَوتار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منوا کر اس کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔

شرک فی الصفات

الحمد للہ ہم نے اقسامِ شرک کے حوالے سے شرک کی پہلی قسم ''شرک فی الذات'' کی کسی حد تک تفہیم حاصل کر لی ہے۔ اب ہم اللہ کی توفیق سے شرک کی دوسری قسم ''شرک فی الصفات'' کی بحث کا آغاز کرتے ہیں۔ شرک فی الصفات کے بارے میں ابتدائی طور پر یہ جان لیجیے کہ یہ مسئلہ ذرا باریک اور علمی نوعیت کا ہے اور اس میں پاؤں کے پھسل جانے کا بڑی آسانی سے احتمال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری زبان کی تنگ دامانی کے باعث صفات (Adjectives and attributes) کے طور پر جو الفاظ ہم استعمال کرتے ہیں وہ خالق اور مخلوق کے مابین مشترک ہیں۔ یعنی وہی الفاظ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے ہیں اور وہی مخلوق کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کائنات بھی موجود، خدا بھی موجود، میں بھی موجود، آپ بھی موجود۔ اس

طرح ایک وصف ''وجود'' مشترک ہو گیا اللہ تعالیٰ میں' اس کائنات میں' مجھ میں اور آپ میں۔ اسی طرح صفت ''حیات'' مشترک ہے اللہ اور مخلوق کے مابین۔ اللہ تعالیٰ بھی زندہ' ہم بھی زندہ' یہ چوپائے وغیرہ بھی زندہ۔ لفظ ''علم'' کا استعمال اللہ کے لیے بھی ہے' ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ﴾ اور بندوں کے لیے بھی' بلکہ انسانوں میں ''عَــلّامۃ'' بھی ہوتے ہیں جو صفتِ علم کا مبالغے کا صیغہ ہے۔ لفظ ''ارادہ'' بندوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے کہ ''میرا یہ ارادہ ہے'' اور اللہ کے لیے بھی کہ ﴿اِنَّمَا اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (یٰسٓ)۔ اسی طرح لفظ ''مشیت'' مشترک ہے اللہ اور مخلوق کے مابین۔ جیسے کسی صحابیٔ رسولؐ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے: ''مَاشَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتَ'' (جو اللہ کی مشیت اور جو آپؐ کی مشیت) تو نبی اکرمﷺ نے اُن کو سختی سے ٹوک دیا' اس لیے کہ اس سے شرک کا شائبہ جنم لے سکتا تھا' حالانکہ ان صحابیٔ رسولؐ کی نیت میں' معاذ اللہ' کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ تو صفات کے لیے جتنے الفاظ مستعمل ہیں وہ سب مشترک ہیں خالق اور مخلوق کے مابین۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی مستعمل ہیں اور مخلوقات کے لیے بھی' اور اسی سے فساد اور غلطی کا سارا احتمال پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ جب اِن الفاظ کا استعمال اللہ کے لیے ہوتا ہے تو ان کا مفہوم بالکل مختلف ہے اُس مفہوم سے کہ جس مفہوم میں ان الفاظ کا استعمال مخلوقات کے لیے ہوتا ہے۔ لفظ مشترک ہے جبکہ مفہوم جدا ہے۔

شرک فی الصفات سے بچاؤ کا فارمولا

اب یہ سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کی صفات الفاظ مشترک ہونے کے باوجود مفہوم و معنی میں کس طرح جدا ہیں۔ تین چیزیں اگر مدّ نظر نہ رہیں اور ذہن میں مستحضر نہ رہیں تو شرک کا بلا ارادہ اور بلاشعور احتمال پیدا ہو جائے گا۔ پہلی چیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وجود بھی قدیم ہے اور اس کی صفات بھی قدیم ہیں' جبکہ ما سویٰ اللہ (جملہ مخلوقات) کا وجود بھی حادث ہے اور صفات بھی حادث ہیں۔ جو بڑے سے بڑے مشرک گزرے ہیں خدا کو تو انہوں نے بھی قدیم مانا ہے۔ ''تعدّدِ قدماء'' کا نظریہ رکھنے

والوں کا عقیدہ تھا کہ اللہ بھی قدیم‘ روح بھی قدیم اور مادہ بھی قدیم۔ کچھ لوگوں نے ذرا رعایت کرتے ہوئے دو ہستیوں کو قدیم مانا ہے کہ خدا بھی قدیم اور مادہ بھی قدیم‘ جبکہ توحید یہ ہے کہ قدیم ہستی صرف اللہ کی ہے‘ باقی سب کو حدوث لاحق ہے کہ پہلے نہیں تھے‘ پھر ہو گئے۔

دوسری چیز یہ کہ اللہ کا وجود بھی ذاتی ہے اور صفات بھی ذاتی ہیں‘ جبکہ ماسویٰ اللہ کا وجود بھی عطائی ہے اور صفات بھی عطائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو از خود ہے‘ خود بخود ہے۔ کوئی اور تو اسے وجود دینے والا نہیں‘ معاذ اللہ‘ ثم معاذ اللہ۔ اسی طرح اس کی صفات بھی ذاتی ہیں‘ کسی اور کی عطا کردہ نہیں‘ اس کو علم کسی اور نے نہیں دیا‘ معاذ اللہ‘ ثم معاذ اللہ۔ جبکہ جملہ مخلوقات کا وجود بھی عطائی ہے‘ اللہ نے ہی سب کو وجود عطا کیا ہے۔ بقول شاعر: ؎

لائی حیات آئے‘ قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے‘ نہ اپنی خوشی چلے

تو یہ قضا اور حیات تو بس ارادۂ خداوندی ہے‘ فیصلۂ خداوندی ہے‘ امرِ خداوندی ہے۔ اُس نے چاہا تو ہم ہو گئے۔ اسی طرح جملہ مخلوقات کی صفات بھی عطائی ہیں‘ ذاتی نہیں ہیں‘ اللہ نے عطا کی ہیں۔

تیسری چیز یہ کہ اللہ کی ذات بھی مطلق ہے اور صفات بھی مطلق ہیں‘ جبکہ ماسویٰ اللہ (جملہ مخلوقات) کا وجود بھی محدود ہے اور صفات بھی محدود ہیں۔ مطلق عربی زبان میں ’’ط‘ ل‘ ق‘‘ مادے سے ہے جس کا مطلب ہے آزادی‘ بے قید ہونا‘ لامتناہی ہونا‘ حدود اور نہایت سے مبرّا ہونا۔ ’’طلاق‘‘ کا مطلب یہی ہے کہ عورت کو نکاح کے بندھن سے آزاد کر دیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ کا وجود اور صفات مطلق‘ لامتناہی‘ حدود و قیود اور انتہا سے مبرّا ہیں۔ انگریزی میں اللہ تعالیٰ کو کہا جاتا ہے: ’’The Absolute Being‘‘۔ ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان کے لیے ایک ہی لفظ ’’کُل‘‘ کے دامن میں پناہ لیتے ہیں کہ: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ’’وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔‘‘ اور: ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ’’وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے‘‘۔

اس حوالے سے جان لیجیے کہ جب بھی کوئی لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بطور وصف یا صفت بولا جائے تو مذکورہ بالا تین تصورات ذہن میں مستحضر رہیں کہ (۱) اللہ تعالیٰ کی وہ صفت یا وصف قدیم ہے‘ اس میں حدوث کا کوئی شائبہ نہیں۔ (۲) وہ ذاتی ہے‘ کسی کا عطا کردہ نہیں۔ اور (۳) وہ مطلق اور لامتناہی ہے‘ اس میں کہیں کوئی حدّ و نہایت نہیں۔ اس کے بالکل برعکس جب وہی لفظ ہم مخلوقات میں سے کسی کے لیے بطور صفت یا وصف بولیں گے تو وہاں یہ تین تصورات ملحوظ رہیں گے کہ جیسے وہ چیز خود حادث ہے ویسے ہی اس کی وہ صفت بھی حادث ہے‘ جیسے اس کا وجود عطائی ویسے ہی اس کی صفت بھی عطائی ہے اور جیسے اس کا وجود محدود ہے ویسے ہی اس کی صفت بھی محدود ہے۔ تو یہ تینوں تصورات اگر ہر وقت مدّ نظر رہیں تو صفات کے معاملے میں آدمی شرک میں ملوث نہیں ہوگا۔ لیکن اگر ان میں سے کسی میں بھی ٹھوکر کھا گئے تو ''شرک فی الصفات'' کا راستہ کھل جائے گا۔ یہ الجبرے کے فارمولے کی طرح بالکل واضح بات ہے۔ اس کو سمجھ لیا جائے تو بڑے بڑے مسائل اور عقدے حل ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ گویا وہ کلید ہے کہ جس سے ہمارے ہاں عقائد کی بحثوں کے جو بڑے بڑے تالے پڑے ہوئے ہیں وہ کھلتے چلے جائیں گے۔

دورِ جدید کا سب سے بڑا شرک

اب جو اِس دَور کا سب سے بڑا شرک ہے پہلے اسے سمجھ لیا جائے‘ جس کے بارے میں مَیں اپنے بارے میں بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں اس سے بالکل بری ہوں۔ اللہ ہی جس کو بچالے وہ بچ جائے گا‘ ورنہ اللہ کی توفیق کے بغیر اس سے بچنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ وہ شرک کیا ہے؟ وہ ''مادّہ پرستی کا شرک'' ہے۔ اصل میں ایک نظریہ‘ ایک خیال اور ایک مغالطہ دنیا میں رہا تو ہمیشہ سے ہے‘ لیکن اِس دَور میں آ کر اس نے ایک فلسفہ‘ فکرِ انسانی کے لیے ایک بہت بڑے محور اور مرکز کی حیثیت اختیار کر لی ہے‘ اور وہ یہ ہے کہ مادہ کی صفات (Properties of the matter) مستقل ہیں‘ دائم ہیں‘ غیر متبدل (immutable) ہیں‘ ان میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی‘ یہ صفات مادے

سے منفک نہیں ہو سکتیں اور قوانین طبعی (Laws of the Nature) کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ جب سے سائنس کا دَور دورہ‘ شہرہ اور غلغلہ ہوا ہے اور جب سے ذہنوں پر اس کی چھاپ بہت گہری ہو گئی ہے اور سائنسی اکتشافات نے انسان کو مبہوت اور مرعوب کر دیا ہے تب سے یہ فکر ہمارے ذہنوں میں پیوست ہو گیا ہے کہ مادے کی صفات مستقل ہیں‘ دائم ہیں‘ ہمیشہ بروئے کار آتی ہیں‘ کوئی صورت نہیں ہے کہ مادے سے اس کی صفت منفک ہو جائے‘ بلکہ وہ اپنی جگہ مستقل بالذات ہے۔ گویا کہ ہم نے آج مادے کو اُس مقام پر بٹھا دیا ہے جہاں اصلاً اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ صفات تو اللہ تعالیٰ کی مستقل اور دائم ہیں‘ قانون تو اس کا ہے جو کبھی نہیں بدلتا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے بچے کو وصیت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ: **لَا فَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَۃِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہُ** ’’فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں‘‘۔ جیسے حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے تھے: ﴿**یٰـبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ**﴾ ’’اے میرے بچے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کیجیو یقیناً شرک بہت بڑا ظلم (اور بہت بڑی ناانصافی) ہے۔‘‘

اصل حقیقت یہ ہے کہ آگ میں جلانے کی تأثیر ہے‘ لیکن یہ اس کی ذاتی نہیں ہے‘ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ ہے اور اُسی وقت بروئے کار آئے گی جب اللہ چاہے گا۔ آگ کو جلانے کی صفت ودیعت کرنے کے بعد‘ معاذ اللہ‘ اللہ کے ہاتھ بندھ نہیں گئے کہ مَیں تو آگ میں جلانے کی صفت پیدا کر چکا‘ بدبختوں نے ابراہیم علیہ السلام کو اٹھا کر آگ میں پھینک دیا ہے تو اب میں کیا کروں! معاذ اللہ۔ آگ کا وصف ذاتی اور مستقل نہیں‘ بلکہ اللہ کے اِذن کے تابع ہے۔ آگ اُسی وقت جلائے گی جب اللہ کا اِذن ہو گا‘ اگر نہیں ہو گا تو نہیں جلائے گی۔ لہٰذا تمام صفاتِ مادہ تابع ہیں مشیتِ خداوندی کے‘ یہ مستقل بالذات نہیں ہیں۔ نیوٹونین فزکس یعنی جو فزکس کا ابتدائی دَور تھا‘ اس میں بڑا اِذعان اور بڑا یقین تھا کہ جو قوانین ہم نے دریافت کر لیے ہیں یہ حتمی ہیں‘ ان میں کسی تبدیلی کا امکان ہی نہیں ہے۔

"We have discovered the final truth."

اور ''قانون بقائے مادہ'' کی رو سے مادہ لازوال اور غیر فانی ہے:

(Matter is indestructible.)

اور matter اور energy دو جدا کیٹیگریز ہیں۔ یہ نیوٹن کی فزکس کے مبادیات تھے۔ ان کا جب ہمارے عقائد‘ مذہبی فکر اور ایمانی نظریات کے ساتھ تصادم ہوا تو اس کا پہلا مظہر یہ سامنے آیا کہ اب معجزات کی کیا تعبیر و تاویل کی جائے! مغربی فکر اور استعمار کا یہ ریلا اتنا شدید تھا کہ بیچارے سرسید احمد خان جیسا مخلص مسلمان بھی ثابت قدم نہ رہ سکا اور اس سیلاب کی رو میں بہہ گیا۔

اُس وقت ایک طرف مغربی تہذیب‘ مغربی استعمار اور مغربی قوت تھی‘ ان کی فوجیں آ رہی تھیں۔ اور دوسری طرف اُن کا فکر آ رہا تھا‘ سائنس بڑے زور و شور کے ساتھ آ رہی تھی تو اس سیلاب کے آگے کھڑے رہنا آسان نہیں تھا‘ لہٰذا بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے اور انہوں نے قرآنی تعلیمات کو مغربی فکر کے سانچے میں ڈھالنے اور اس کے موافق بنانے کی کوشش کی۔ اُن کے لیے یہ مشکل پیدا ہوئی کہ پانی تو اپنی سطح برقرار رکھتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ عصاءِ موسیٰ کی ضرب سے سمندر کا پانی پھٹ گیا؟ سرسید کے فکر کی ترجمانی کی جائے تو وہ یہ ہوگی کہ یہ تو بڑی مصیبت ہے کہ قرآن میں ایسی ہلکی بات آ گئی‘ اب ہم دنیا کو کیا مُنہ دکھائیں؟ ہمارے لیے تو اِس سائنسی دَور میں لوگوں سے آنکھیں چار کرنا ممکن نہیں رہا۔ لہٰذا اس کی کوئی ایسی تاویل اور تعبیر کرو کہ مذہب اپنی جگہ قائم رہ جائے اور سائنس اپنی جگہ قائم رہ جائے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اصل میں یہ تو مدّ و جزر کی بات تھی جسے مولویوں نے سمجھا نہیں اور اسے خواہ مخواہ ایک عجوبہ اور معجزہ قرار دے دیا اور ایک افسانہ بنا لیا۔ جوار بھاٹا سمندر میں آتا ہی رہتا ہے۔ کبھی سمندر recede کر جاتا ہے‘ پیچھے کو ہٹ جاتا ہے اور خشکی نکل آتی ہے‘ کبھی سمندر چڑھاؤ پر آتا ہے تو پانی ہی پانی ہو جاتا ہے۔ اصل میں سمندر اُس وقت جزر پر تھا جبکہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر نکل گئے‘ اور جب فرعون اپنے لشکر سمیت گزرنے لگا تو اُس وقت سمندر مدّ پر آ گیا‘ لہٰذا فرعون لشکر سمیت ڈوب گیا۔ یہ تاویل درحقیقت

سرسید کی اس سوچ کی عکاسی کرتی ہے کہ وہ سائنسی فکر' اس کے رعب و دبدبے اور جاہ و جلال کے مقابلے میں اپنے تئیں اسلام کا دفاع کر رہے تھے۔ اس حوالے سے سرسید ہمدردی کے مستحق ہیں۔ یہ درحقیقت اس مغربی فکر کا پہلا حملہ تھا جو ہم پر ہوا' جس کے نتیجے میں معجزات کا انکار رہوا اور ہر چیز کی تاویل کرنے کی کوشش کی گئی۔ انسان کے ذہن میں جب کوئی فکر راسخ ہو جاتا ہے تو بڑی بڑی حقیقتیں اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں' وہ گویا اندھا ہو جاتا ہے اور راستے کے بڑے بڑے پتھر اسے نظر نہیں آتے۔ اور ایسا بڑے بڑوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ سرسید احمد خان پر جب یہ فکر مسلط ہو گیا تو انہیں قرآن میں یہ الفاظ نظر نہیں آئے: ﴿فَانۡفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرۡقٍ كَالطَّوۡدِ الۡعَظِيۡمِ﴿۶۳﴾﴾ (الشُّعراء) ''پس سمندر پھٹ گیا تو اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا''۔ اِنۡفَلَقَ يَنۡفَلِقُ کا مطلب ہے پھٹ جانا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے قرآن مجید میں ''فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ'' (رات کی تاریکی کا پردہ پھاڑنے والا) اور ''فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی'' (دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا) کے الفاظ آئے ہیں۔ تو یہاں فَانۡفَلَقَ کا ترجمہ مدّ و جزر کسی صورت میں نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مذکورہ بالا آیت کے اگلے الفاظ ہیں: ﴿فَكَانَ كُلُّ فِرۡقٍ كَالطَّوۡدِ الۡعَظِيۡمِ﴿۶۳﴾﴾ ''تو (سمندر کا) ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا۔'' اب ان الفاظ سے مدّ و جزر مراد ہونے کا تو کوئی امکان ہی نہیں' اس کی اس فطری مظہر (مدّ و جزر) کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جب کوئی فکر کسی سبب سے انسان کے ذہن کے اوپر اس طرح مستولی ہو جاتا ہے تو بڑی بڑی حقیقتیں نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں اور بعینہٖ یہی معاملہ سرسید احمد کے ساتھ پیش آیا۔ اور صرف انہی کے ساتھ نہیں' اور بھی کئی بڑے بڑوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے۔

میں یہاں ایک مثال مولانا ثناء اللہ امرتسری کی دیتا ہوں۔ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے' پکے اہلحدیث تھے' اسلامی روایات' قرآن مجید اور حدیث کو تھامنے والے تھے۔ لیکن وہ دَور ہی ایسا تھا کہ ایک جگہ اُن کے قدم بھی پھسل گئے۔ سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ نقل ہوا ہے کہ ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے

درخواست کی: ﴿رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے دکھا دے تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے!'' اللہ تعالیٰ نے فوراً سوال کیا: ﴿اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط﴾ ''کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟'' اس پر ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿بَلٰی وَلٰـکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ط﴾ ''کیوں نہیں (میں یقیناً ایمان رکھتا ہوں) لیکن ذرا مزید اطمینانِ قلبی درکار ہے۔'' اس کے بعد حکم دیا گیا: ﴿فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْکَ﴾ ''تو چار پرندے لے لو اور انہیں اپنے سے ہلا لو (مانوس کر لو)۔'' ﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا﴾ (آیت ۲۶۰) ''پھر (انہیں ذبح کر کے) اُن کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو، پھر اُن کو پکارو، وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔'' یہاں ﴿فَصُرْهُنَّ اِلَیْکَ﴾ ''تو انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لو'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ پرندے آپ کو پہچان لیں جن کو آپ نے ٹکڑوں میں بانٹا ہے اور آپ اُن کو پہچان لیں کہ یہ وہی پرندے، کبوتر یا تیتر وغیرہ ہیں جن کے آپ نے ٹکڑے کیے ہیں، کوئی اور نہیں ہیں جو بلانے پر آ گئے ہوں۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امرتسری کے لیے مسئلہ پیدا ہوا کہ اس سائنسی سوچ کے دَور میں یہ بات کیسے کہیں۔ لہٰذا انہوں نے تأویل کی کہ اس سے مراد یہ ہے کہ چار پورے پورے پرندے مختلف پہاڑوں پر رکھو اور انہیں پکارو تو وہ آ جائیں گے۔ اب یہ مشاہدہ تو ہر تیتر باز اور بٹیر باز کو ہوتا ہے کہ وہ خود سے مانوس تیتر یا بٹیر کو اپنے پاس بلاتا ہے، سیٹی بجاتا ہے تو وہ آ جاتا ہے۔ اگر اس سے یہی مراد ہے تو اِس قدر اہتمام کے ساتھ اور احیاءِ موتی پر اطمینانِ قلب حاصل کرنے کی دعا کے جواب میں یہ بات کیوں کہی گئی؟ جس میں ابتداءً ذرا ڈانٹ کا انداز بھی آ گیا کہ کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی لجاجت کے ساتھ کہا کہ پروردگار! میں مانتا تو ہوں لیکن ذرا اطمینانِ قلبی درکار ہے۔ جب مولانا ثناء اللہ امرتسری سے کہا گیا کہ آپ نے اس آیت کی یہ تأویل کیوں کر دی، تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ میں کیا کروں، مجھے دوسروں کے سامنے بات پیش کرنی ہے۔ تو یہ ہے اصل بات کہ جس دَور کے لوگوں سے خطاب

کرنا ہو اُن کے مسلّمات کا کچھ تو لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔

تو پہلی بات یہ جان لیجیے کہ اگر آپ نے کسی کے کسی وصف کو دائم اور مستقل بالذات مان لیا تو آپ شرک فی الصفات کے مرتکب ہو گئے۔ اس لیے کہ قائم و دائم‘ مستقل بالذات اور مطلق اوصاف تو صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں‘ کسی اور کے اندر کوئی صفت‘ تأثیر یا وصف مستقل نہیں‘ مطلق نہیں‘ ہمیشہ سے نہیں اور ہمیشہ رہنے والا نہیں۔ ہر شے اور ہر ہستی کے اوصاف تابع ہیں اذنِ خداوندی کے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اُن کا ظہور ہو گا ورنہ کسی صفت کی کوئی تأثیر ظاہر نہیں ہو سکتی۔

مذکورہ بالا سائنسی طرزِ فکر کی وجہ سے ذہنوں میں جو سوچ پختہ اور راسخ ہوئی ہے اسے ’’مادہ پرستی کا شرک‘‘ کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہمارا سارا توکل اور انحصار مادی اسباب و وسائل پر ہے‘ اگر یہ حاصل ہیں تو دلجمعی بھی حاصل ہے‘ یہ نہیں ہیں تو دل اُڑا ہوا ہے۔ اللہ کی قدرت پر اتنا یقین نہیں ہے جتنا کہ مادی وسائل کے نتائج پر یقین ہے۔ نتیجتاً سارا بھروسہ اور توکل ذاتِ خداوندی سے ہٹ کر مادی اسباب و وسائل کے ساتھ منسلک ہو گیا ہے۔ حکمتِ قرآنی کی جڑ توحید ہے اور ’’**تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا**‘‘ کے مصداق توحید کو سمجھنے کے لیے شرک کو سمجھنا پڑے گا۔ رات کو دن کے حوالے سے سمجھا جا سکتا ہے اور دن کی حقیقت رات کے حوالے سے روشن ہوتی ہے۔ چنانچہ توحید کو سمجھنے کے لیے شرک کو سمجھنا ضروری ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں توحید کو مثبت انداز میں اور شرک کو منفی انداز میں خوب عیاں کیا گیا ہے۔ ان دونوں سورتوں کو میں ’’حکمتِ قرآنی کے عظیم ترین خزانے‘‘ قرار دیتا ہوں۔ سورۂ بنی اسرائیل کے بالکل آغاز میں فرمایا گیا:

﴿**وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ﴿۲﴾**﴾

’’اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) عطا فرمائی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت نامہ بنایا (رہنمائی قرار دیا) کہ میرے سوا کسی اور کو اپنا وکیل

(کارساز) نہ بنالینا۔‘‘

’’وَکِیۡلٌ‘‘ کا مادہ ’’و ک ل‘‘ ہے اور مطلب ہے جس پر توکل اور بھروسہ ہو‘ جس سے اُمیدیں وابستہ ہوں‘ جس کو کارساز سمجھا گیا ہو‘ جس کو کسی بھی مسئلے میں اپنی مشکل کا حل سمجھا جا رہا ہو۔ سورۃ المؤمن میں مؤمنِ آلِ فرعون کے الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ﴿۴۴﴾﴾ ’’اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں‘ یقیناً اللہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے‘‘۔ ’’توحید فی التوکل‘‘ یہی تو ہے کہ سارا بھروسہ‘ دارومدار اور انحصار اسباب و وسائل کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو۔ اسباب و وسائل کی نفی قطعاً نہیں ہے‘ لیکن یہ کہ کوئی بھروسہ اُن پر قطعاً نہ ہو۔ سورۃ الانفال میں فرمایا گیا: ﴿وَاَعِدُّوۡا لَہُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّۃٍ......﴾ (آیت ۶۰) ’’اور اپنی امکانی حد تک ان (کفار) کے مقابلے کے لیے طاقت تیار رکھو‘‘۔ یعنی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہنے کے بجائے جتنے بھی اسباب و وسائل فراہم کر سکتے ہو کرو‘ لیکن تمہارا توکل ان اسباب و وسائل پر نہ ہو۔ یہ حقیقت ذہن نشین رہے کہ اسباب سے کچھ نہیں ہوگا‘ بلکہ ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔ اور اللہ بغیر اسباب کے بھی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے‘ وہ اسباب کا محتاج قطعاً نہیں‘ اور اللہ تعالیٰ اسباب کے ہوتے ہوئے الٹا نتیجہ بھی برآمد کر سکتا ہے‘ وہ اسباب کا پابند نہیں۔

ان دونوں میں سے کوئی پہلو بھی اگر آپ کے ذہن میں ہے تو آپ ’’شرک فی التوکل‘‘ کے اندر ملوث ہو گئے۔ میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ آپ نے کہیں جانا ہے اور آپ کے پاس کار یا کوئی اور سواری درست حالت میں موجود ہے‘ آپ نے اس کے لیے پٹرول کا انتظام بھی کر لیا ہے اور آپ نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ صبح اُٹھ کر لازماً اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اگر آپ کو یقین ہو گیا ہے کہ اب آپ کے روانہ ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور آپ یہ بھول گئے ہیں کہ ان اسباب کے اوپر ایک مُسبّب الاسباب ہستی بھی ہے اور سارے وسائل کے جمع ہونے کے باوجود بھی آپ اُس کے اِذن کے بغیر ہل نہیں سکتے تو آپ گویا مادہ پرستی کے شرک

میں مبتلا ہو گئے' شرک فی التوکل میں ملوث ہو گئے۔ یہ اصل میں محجوبیت ہے کہ آپ اسباب کے پردے میں محجوب ہو گئے' اسباب کا یقین آپ کے دلوں میں پیدا ہو گیا۔ آپ کے ذہن میں اسباب پر توکل پیدا ہو گیا' آپ نے اپنے دل کے سنگھاسن پر مادی اسباب و وسائل کو بٹھا دیا' اللہ سے نگاہیں محجوب رہ گئیں۔ جیسے اقبال نے کہا: ؎

بُتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

ہمارا طرزِ عمل ہمیشہ یہی ہونا چاہیے کہ جب بھی کسی کام کا ارادہ کریں تو مقدور بھر اسباب و وسائل بروئے کار لانے کے بعد زبان پر الفاظ ہوں ''اِن شاء اللہ'' اور دل میں یہ پختہ یقین ہو کہ تمام اسباب و وسائل اذنِ خداوندی کے محتاج ہیں اور نتیجہ وہی نکلے گا جو اللہ چاہے گا۔ اسباب و وسائل پر یقین کرتے ہوئے کبھی یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ''میں کل یہ کام ضرور کروں گا''۔ اگر کوئی عامی انسان یہ کہہ رہا ہو تو اس کی فوری پکڑ نہیں ہو گی' اس لیے کہ اس کی اپنی ذہنی سطح ہے' اسے ابھی وہ قلبی ترفّع حاصل نہیں ہوا' وہ تو اسباب و وسائل ہی کے چکر میں ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر نبی کریم ﷺ کی گرفت فرمائی۔ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے کچھ سوالات کیے کہ ذرا بتائیے اصحابِ کہف کون تھے' روح کی حقیقت کیا ہے' ذوالقرنین کون تھا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ سوچ کر کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آتے ہی رہتے ہیں' ان سے پوچھ لوں گا' کہہ دیا: ''میں کل جواب دے دوں گا'' اور ''اِن شاء اللہ'' نہ کہا' تو آپ ﷺ کی گرفت ہو گئی۔ اس لیے کہ ''**حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ**'' کہ بہت سی چیزیں جو اَبرار کے لیے نیکیاں ہو سکتی ہیں وہی مقربین کے لیے قابل گرفت ہو سکتی ہیں' ان کے مرتبے سے فرو ہو سکتی ہیں۔ اب حضرت جبرائیل ؑ نہیں آ رہے اور لوگ تالیاں پیٹ رہے ہیں کہ محمد ﷺ! کیا جوابات ہیں ان سوالوں کے؟ نبی اکرم ﷺ خاموش ہیں۔ آپ ذرا سوچیے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے لیے کس قدر تشویش ناک اور نازک صورت حال ہو گی۔ لیکن یہ کہ حکمتِ خداوندی یہی تھی کہ آپ ﷺ کی گرفت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾

(الکھف:٢٣‘٢٤)

’’اور (اے نبیؐ!) کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کروں گا‘ مگر (اس استثناء کے ساتھ کہ) اگر اللہ نے چاہا۔‘‘

اس کے بعد سورۃ الکھف میں اُن سوالات کے جوابات نازل فرمائے گئے۔

تو یہ ہے اصل میں ’’توحید فی التوکل‘‘ کہ کسی شے سے کچھ نہیں ہوسکتا‘ جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔اس پر بحث اِن شاء اللہ جاری رہے گی۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

دعوت فکر

اسلام کا تصورِ تفریح

اور ''جشن بہاراں'' کا اہتمام

عتیق الرحمٰن صدیقی

حبشہ کے کچھ نوجوان مدینہ طیبہ آئے۔ وہ فن سپہ گری کی مشق کرنے کے لیے نیزوں وغیرہ سے کھیلتے تھے۔ نبی کریمﷺ نے ان کا یہ کھیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی پشت کے پیچھے کھڑا کر کے دکھلایا اور ان لوگوں سے فرمایا: ''کھیل کود کرتے رہو''۔ بعض روایات میں ان کے ساتھ یہ الفاظ بھی آئے ہیں ''یعنی میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دین میں خشکی اور شدت دیکھی جائے''۔ رحمتِ عالمﷺ نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا: ''تم اپنے قلوب کو کبھی کبھی آرام دیا کرو''۔

انصارِ مدینہ میں ایک صاحب دوڑ میں بڑے ماہر تھے۔ ایک دن انہوں نے مقابلے کا اعلان کیا اور نبی کریمﷺ سے اس کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔ ایک مشہور پہلوان جس کا نام رکانہ تھا' اس نے نبی کریمﷺ سے کشتی کی تو آپؐ نے اسے پچھاڑ دیا۔ (ابوداؤد)

نبی کریمﷺ نے جن کھیلوں کو صراحت سے ممنوع قرار دیا وہ شطرنج اور چوسر ہیں۔ اگر ان کے ساتھ ہار جیت میں مال کا لین دین بھی ہو تو وہ قطعی حرام ہیں اور اگر یہ کھیل محض دل بہلانے کے لیے کھیلے جائیں تب بھی حدیث میں ان سے منع کیا گیا ہے۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''جو شخص چوسر کھیلتا ہے وہ ایسا ہے جیسے اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے خون سے رنگے ہوں''۔ شطرنج کھیلنے والے کے لیے لعنت کے الفاظ آئے ہیں۔ کبوتر بازی کو نبی اکرمﷺ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے شراب' جوئے اور طبلہ سارنگی کو حرام کیا ہے اور فرمایا کہ ہر نشے والی چیز حرام ہے۔ البتہ رسول

اللہﷺ نے تین کھیلوں کی اجازت مرحمت فرمائی ہے :(۱) تیر اندازی (۲) گھوڑے کی سواری (۳) اپنے اہل کے ساتھ ملاعبت ۔

اسلام نے ہمیں تفریح کا ایک تصور بھی دیا ہے اور کچھ حدود بھی متعین کی ہیں ۔ مذکورہ بالا سطور میں ہم نے رحمت عالمﷺ کے جو ارشادات نقل کیے ہیں ان سے اس کی واضح طور پر ایک تصویر اُبھر کر سامنے آتی ہے اور کوئی ابہام اور جھول باقی نہیں رہتا' نتائج کے استنباط میں آسانی ہوتی ہے۔ یہاں جواز اور عدم جواز میں جو حدِّ فاصل قائم کی گئی ہے اس کی حکمت اور فلاسفی پر ہمیں غور کرنا چاہیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن کھیلوں کا تعلق بدن کی ورزش' صحت اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے ہے' یا ان سے کسی دینی و دُنیوی ضرورت کی تشفی ہوتی ہے' یا وہ ذہنی تکان اور بوریت دور کرنے میں مد ثابت ہوتے ہیں اور ایک آدمی کو تر و تازہ اور شگفتہ بنا کر اہم کاموں کے لیے سرگرمِ عمل رکھنے میں کوئی کردار ادا کرتے ہیں تو انہیں صراحتاً سندِ جواز مہیا کی گئی ہے۔ مگر وہ کھیل جو دین سے بیزار کرتے ہوں یا دوسروں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنتے ہوں' ان سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور وہ کھیل جو کھلی معصیت کی طرف راغب تو نہیں کرتے مگر توانائی اور قوت کے لیے بے فائدہ ضیاع کا موجب بنتے ہیں انہیں مکروہ کہا گیا ہے۔

قرآن وسنت کی تعلیمات کی رو سے انسانی زندگی بہت اہم ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور گراں بہا بھی۔ انسان دنیا میں جو کچھ کرتا ہے اور جو اعمال اس سے سرزد ہوتے ہیں اس کے نتائج بھی مرتب ہوتے ہیں اور وہ ان کے لیے اللہ کے حضور جواب دہ ہے۔ اسے ایک مقصد عظیم کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اور وہ مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کا بندہ بن کر رہے۔ ''بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کا تصور غیر اسلامی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عیش وعشرت اور لہو ولعب کی کھلی چھٹی نہیں دے رکھی' اور نہ ہی اسلام کا مزاج ایسا ہے جس میں ہر لحظہ تلخی و ترشی' شدت اور کھردرا پن ہو۔ وہ توسط اور اعتدال کی راہ اپنانے کی تلقین کرتا ہے' وہ ذہنی و فکری اور روحانی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر گلشن ہستی کو حسین اور بہار آفریں بنانے کی ہدایت کرتا ہے۔ یہ قرآنی دعا: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۲۰۱﴾ (البقرۃ) ''اے ہمارے پروردگار! ہماری دنیا بھی حسین بنا اور ہماری عاقبت کو بھی حسن آشنا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' فکر و عمل کو حق و راستی سے آشنا کر کے اسے حسین وخوشنما بنانے کے لیے ہے۔

اس بحث کے بعد ہم آتے ہیں ''بسنت'' کی طرف کہ یہ کیا ہے اور اس کے عواقب و نتائج کیا ہیں۔ یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی بسنت کے موسم کے بھی ہیں اور موسمِ بہار کے ایک تہوار کے بھی۔ سرسوں کے کھلے ہوئے زرد پھولوں کو بھی بسنت کہا جاتا ہے اور اس سے مراد سری راگ کی چوتھی راگنی اور چیچک کے بھی ہیں۔ ''بسنت پنچمی'' ہندوؤں کا ایک باقاعدہ تہوار ہے' مسلمانوں کی تاریخ سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ زرد رنگ بھی ہمارا شعار نہیں۔ ہماری اپنی اقدار اور روایات ہیں اور ہمارا اپنا فکری ورثہ ہے جس کے ہم امین ہیں۔ ہمارے ہاں صرف دو تہوار ہیں جن کا ایک مخصوص پس منظر ہے اور اسی تناظر میں ہم یہ تہوار مناتے ہیں۔ ان مواقع پر ہم شیرینی بانٹتے ہیں' مؤانست اور مؤاخات کا عہد تازہ کرتے ہیں' باہم تحفے تحائف' شیرینیوں اور ملاقاتوں کے ذریعے شادمانیوں کو فروغ دیتے ہیں۔ ہنستے ہنساتے بھی ہیں' کھاتے کھلاتے بھی ہیں' تزئین و آرائش کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں' مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حضور دوگانہ ادا کرتے ہوئے کرتے ہیں اور یہ کام سلیقے' قرینے' کمالِ شائستگی اور متانت وسنجیدگی سے انجام پاتا ہے۔ نہ اس میں غل غپاڑہ ہوتا ہے' نہ دھوم دھڑکا' نہ چیخ و پکار' نہ ہنگامہ آرائی اور خون ریزی اور نہ تکلیف دہ اور ہلاکت آمیز سرگرمیوں کا کوئی چلن۔ اس میں نہ تو انسانی جانوں کا ضیاع ہوتا ہے اور نہ کوئی خونی ڈرامہ بندگانِ خدا کو کلفتوں میں مبتلا کرتا ہے۔

موسموں کی بوقلمونی اللہ تعالیٰ کی آیاتِ آفاقی میں سے ہے' جو انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہے۔ موسم سرما اس لیے نہیں آتا کہ جذبوں اور دلوں کو یخ بستہ کر دے اور گرمی کا موسم اس لیے نہیں آتا کہ وہ لوگوں کے غیظ وغضب میں اضافہ کر دے اور انہیں آتش بداماں کر کے اُن پر آہ وفغاں کی کیفیت طاری کر دے۔ موسم خزاں میں خزاؤں کا راج ماتم وغمگساری کی دعوت نہیں دیتا اور نہ بہار کی آمد عیش وتلعب اور خرمستیوں کی نوید لے کر ضوفشاں ہوتی ہے۔ یہ تو موسم ہیں۔ ان کا تغیر وتبدل ہمیں دعوتِ فکر ضرور دیتا ہے اور ہمیں سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ دنیا کسی کھلنڈرے کا کھلونا نہیں' یہ کسی پیدا کرنے والے نے عبث پیدا نہیں کی۔ یہ رنگینیاں و رعنائیاں' یہ جمال آرائیاں اور یہ شام وسحر کی نمود اس لیے ہے کہ ہم خالقِ کائنات اور اس کی تحیّر انگیز تخلیق پر غور کریں' انسان کو شرفِ انسانیت سے نوازے جانے پر سوچ بچار کریں اور اپنے آپ کو حیوانات اور دیگر تخلیقات سے ممیّز کریں۔ اسے دار البقاء نہ سمجھیں بلکہ دارِ فناء ہونے کا عقیدہ رکھیں' اور یہ جان لیں کہ یہ سب کچھ ہماری آزمائش کے لیے ہے اور ایک دن

یقیناً ایسا آئے گا کہ ہمیں اپنے کیے کا حساب دینا ہوگا۔

دنیا کی زندگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط ...... وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾﴾ (الحدید)

''خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے......اور دنیا کی زندگی ایک دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔''

یعنی دنیا کی زندگی درحقیقت ایک عارضی زندگی ہے اور یہ لطف ولذت کے سامان بھی عارضی ہیں، جبکہ آخرت کی زندگی عظیم و ابدی زندگی ہے، وہاں کے فائدے بھی عظیم اور ابدی ہیں۔

قرآن نے اس دُنیوی زندگی کو ''لَھْو'' سے تعبیر کیا ہے۔ ''لھو'' اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو اہم کاموں سے ہٹائے اور باز رکھے۔ (مفردات القرآن)

قرآن مجید میں اللہ سے غافل کرنے والی باتوں کو لَھوالحدیث کہا گیا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ق وَّیَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۶﴾﴾ (لقمٰن)

''اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلامِ دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے علم کے بغیر بھٹکا دے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔''

علامہ آلوسی نے حضرت حسن بصریؒ سے لھو الحدیث کی یہ تفسیر نقل کی ہے:

''یعنی ہر وہ بات ''لھو حدیث'' ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر سے غافل کر دے، رات گئے تک قصہ گوئیاں، ہنسانے والے چٹکلے، ہر طرح کے خرافات اور گانا بجانا وغیرہ اس میں شامل ہیں۔''

مولانا امین احسن اصلاحی کہتے ہیں:

''جو چیزیں انسان کو ضروری کاموں سے غفلت میں ڈالیں وہ ''لھو'' کہلاتی ہیں،

بعض اوقات ایسے کاموں کو بھی لَھو کہا جاتا ہے جن کا کوئی معتدبہ فائدہ نہ ہو' محض وقت گزاری کا مشغلہ یا دل بہلانے کا سامان ہو۔'' (تدبر قرآن)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''لَھو حدیث خریدنے کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ وہ شخص حدیثِ حق کو چھوڑ کر حدیث باطل کو اختیار کرتا ہے اور ہدایت سے مُنہ موڑ کر اُن باتوں کی طرف راغب ہوتا ہے جن میں اس کے لیے نہ دنیا میں کوئی بھلائی ہے نہ آخرت میں۔ لیکن یہ مجازی معنی ہیں' حقیقی معنی اس فقرے کے یہی ہیں کہ آدمی اپنا مال صرف کر کے کوئی بے ہودہ چیز خریدے''۔ (تفہیم القرآن)

اس آیۂ کریمہ کے ضمن میں صاحب ضیاء القرآن کا تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:

''آج ہم اپنے معاشرے میں عریانی اور بے حیائی کا امڈ کرآتا ہوا سیلاب دیکھ رہے ہیں جس کی چیختی' چنگھاڑتی موجوں کی ہیبت سے دین اور اخلاقِ حسنہ کے مضبوط قلعے تھرا رہے ہیں۔ ہماری مخصوص اخلاقی اور عمرانی عزیز قدریں ایک ایک کر کے تلف کی جا رہی ہیں اور ہماری زندگی سراسر لہو ولعب بنتی جا رہی ہے۔ سنجیدگی اور متانت کا عنصر تیزی سے ناپید ہو رہا ہے۔ جاہ طلبی' لذت کوشی اور زروسیم کی ہوس کی قربان گاہ پر ملی اور قومی مفادات کو بھینٹ چڑھا دینا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ ہمارے اہل قلم کی عظیم اکثریت' ہماری فلم انڈسٹری' شبینہ کلبیں' ثقافتی تقریبیں اور مینا بازار قیامت برپا کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کھلے بندوں بے روک ٹوک ہماری اسلامی مملکت کے مسلمان حکام کے سامنے ہو رہا ہے اور کوئی باز پرس نہیں کرتا' بلکہ ان تباہ کن عوامل کو حکومت کی سرپرستی اور حکام کی حمایت حاصل ہے۔ یہ سوچ کر دل کانپ جاتا ہے کہ کہیں ہم اپنے آپ کو عذابِ مُہین کے لیے تیار تو نہیں کر رہے۔'' (ضیاء القرآن' جلد سوم)

کیا یہ بسنتی میلہ اسی لہو ولعب کا مظہر نہیں؟ یہ شغل ناؤ نوش' یہ رقصِ ابلیس' یہ شراب و کباب اور بھنگڑا کیا اسلامی ثقافت کا حصہ ہے؟ کیا یہ بھی کوئی تفریح ہے جس میں بیسیوں افراد ہلاک ہو جائیں' سینکڑوں زخمی ہو جائیں اور بچوں کی شہ رگ بسنتی ڈور سے کٹ جائے؟ کیا ویلنٹائن ڈے ایسے تہوار مسلمانوں کی عصمت وعفت اور حیا پر طمانچہ نہیں؟ اگر بہار کا حسن پتنگ بازی میں سمٹ آیا ہے تو کیا دھات اور تندی ہی اس کا لازمہ ہے اور کیا مکانوں کی چھتیں ہی اس کام کے لیے مختص ہو سکتی ہیں؟ انسانی زندگی خطرات سے دوچار ہو جائے' بجلی کی آنکھ مچولی برقی آلات کا تیا پانچا کر دے' گھروں میں آہ وبکا کا سماں پیدا ہو جائے' کئی

ماؤں کے لختِ جگر اس بو کاٹا کی نذر ہو جائیں تو یہ جنون خیزی فرحت و انبساط کا موجب ہے یا غم والم اور درد وکرب کا باعث ہے؟ ایسے میں رنگ برنگی پتنگوں کی کہکشاں کی بات کیا زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف نہیں؟ اس فعل سے بچنا مسلمان کے لیے واجب ہے اور جو شخص اس طرح کے عمل کو اختیار کرتا ہے سخت گنہگار ہے۔ بات کسی دانشورانہ موشگافی کی نہیں بلکہ ان نتائجِ بد کی ہے جو اس سرگرمی کے نتیجے میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ تو صریحاً پیسے کا اسراف ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط﴾ (الاسراء:۲۷)

''یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔''

اسلام اور اہل اسلام کا ایک تشخص ہے' اس تشخص کو برقرار رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ وہ تمام تر رسوم ورواج اور فنونِ لطیفہ جو اسلام کی اساسی تعلیمات سے متصادم ہوں اور اسلامی اقدار کی نفی کرتے ہوں' انہیں لبرل ازم اور روشن خیالی کے نام پر سندِ جواز عطا کرنا کسی طور پر بھی صائب اور درست نہیں۔ البتہ کسی سرگرمی کی حدود متعین کرنے سے اگر اسلامی تعلیمات کے مجموعی مزاج سے کوئی ٹکراؤ پیدا نہ ہو' بلکہ اس سے بہتر مقصد کا حصول ممکن ہو تو اس کے اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ oo

مسلمان کا طرزِ حیات (۵۰)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

"مِنہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العبادات

دسواں باب (مسلسل)

۴ مصارفِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کا مال کہاں خرچ کیا جائے اور کن لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے' اس کا بیان قرآن مجید کی اس آیتِ مبارکہ میں ہے:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّـفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ‌ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ‏ ﴿۶۰﴾﴾ (التوبۃ)

''صدقات تو صرف فقیروں' مسکینوں' ان پر مقرر افراد' اور ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں (اسلام کی) محبت ڈالنا (مقصود) ہے' اور غلام آزاد کرنے کے لیے اور تاوان زدہ افراد کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے' اور اللہ علم والا' حکمت والا ہے۔''

ان آٹھ مصارف کی مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

۱) فقیر: فقیر وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اپنی اور اپنے زیرِ کفالت افراد کی بنیادی ضروریات ـــــ کھانا پینا' لباس اور رہائش ـــــ پوری کر سکے' اگرچہ اس کے پاس نصاب کے برابر مال بھی موجود ہو۔

۲) مسکین: مسکین ''فقیر'' کی نسبت زیادہ مُفلس یا کم نادار ہوسکتا ہے۔ البتہ ان دونوں کا حکم ہر چیز میں ایک ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں مسکین کی اس طرح تعریف فرمائی ہے کہ:

((لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَطُوْفُ عَلَی النَّاسِ تَرُدُّہُ اللُّقْمَۃُ وَاللُّقْمَتَانِ، وَالتَّمْرَۃُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلٰکِنَّ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی یُغْنِیْہِ وَلَا یُفْطَنُ بِہٖ فَیُتَصَدَّقُ عَلَیْہِ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْأَلُ النَّاسَ))[۴۳]

''مسکین وہ نہیں ہوتا جو لوگوں کے پاس چکر لگاتا پھرے اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں لے کر چلا جائے۔ مسکین تو وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہیں ہوتا کہ وہ غنی ہو جائے اور نہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس (کی تنگ دستی) کو سمجھ لے تو اسے صدقہ دے دیا جائے اور نہ وہ کھڑا ہو کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔''

۳) عاملین: اس میں زکوٰۃ وصول کرنے والا، زکوٰۃ جمع کرنے میں مدد دینے والا، اس کا حساب کتاب رکھنے والا اور نگران وغیرہ سب افراد شامل ہیں۔ ان کو اس کام کا معاوضہ زکوٰۃ کے مال سے ہی دیا جائے گا، اگرچہ وہ مالدار ہی ہوں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا تَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ اِلَّا لِخَمْسَۃٍ: لِعَامِلٍ عَلَیْھَا اَوْ لِغَازٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ لِغَنِیٍّ اشْتَرَاھَا بِمَالِہٖ اَوْ فَقِیْرٍ تُصُدِّقَ عَلَیْہِ فَاَھْدَاھَا لِغَنِیٍّ اَوْ غَارِمٍ))[۴۴]

''پانچ افراد کے علاوہ کسی غنی کے لیے زکوٰۃ (کا مال کھانا) جائز نہیں: زکوٰۃ کا عامل، یا اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والا، یا وہ غنی جو زکوٰۃ میں ملی ہوئی چیز اپنے مال سے خرید لے، یا یہ کہ کسی فقیر کو صدقہ دیا گیا تو اُس نے اُس میں سے کسی دولت مند کو کچھ تحفہ کے طور پر دے دیا یا وہ جس پر تاوان آ گیا ہو۔''

۴) مؤلفۃ القلوب: اس سے مراد ایسا شخص ہے جو کمزور ایمان کا مالک ہے، اور اپنی قوم میں اثر و رسوخ کا حامل ہے۔ تو ایسے شخص کو اس لیے زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ اس کے دل میں ایمان کی محبت اور استقامت پیدا ہو جائے۔ اور اس طرح دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے کہ وہ اسلام کی

---

۴۳) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾.....الخ۔

۴۴) سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب من لا تحل لہ الصدقۃ۔ وسنن ابی داوٗد، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ وھو غنی۔

طرف راغب ہو جائیں‘ یا مسلمان اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔ اسی طرح ایک غیر مسلم شخص کے ایمان لانے کی امید ہو یا اس کی قوم کے ایمان لانے کی امید ہو تو ایسے افراد کو اسلام کی طرف راغب کرنے اور ان کے دل میں اسلام کی محبت پیدا کرنے کے لیے مالِ زکوٰۃ سے انہیں کچھ دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح وہ افراد جو پروپیگنڈے کے میدان میں اثر و رسوخ کے مالک ہیں‘ مثلاً صحافی اور قلم کار‘ ان سے اسلام کے فائدے کا کام لینے کے لیے انہیں اگر کچھ دیا جائے تو اسے بھی مؤلفۃ القلوب کی مدّ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

۵) غلاموں کی آزادی: اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی مسلمان غلام ہو تو اسے زکوٰۃ کے مال سے خرید کر آزاد کر دیا جائے۔ یا کسی مسلمان غلام نے آقا سے کچھ رقم کی ادائیگی پر آزادی کا معاہدہ کر لیا ہے تو اُسے بھی زکوٰۃ دی جائے‘ تاکہ وہ اس معاہدۂ کتابت کی قسطیں ادا کر کے آزادی حاصل کر سکے۔

۶) تاوان زدہ اور مقروض: اس سے مراد ایسا مقروض ہے جس نے کوئی گناہ کا کام کرنے کے لیے قرض نہیں لیا تھا۔ یا اُس پر دیت وغیرہ کی ادائیگی کا بوجھ آ پڑا تو اسے زکوٰۃ دی جائے‘ تاکہ وہ اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلَاثَةٍ : لِذِیْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ لِذِیْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ لِذِیْ دَمٍ مُوْجِعٍ)) (۴۵)

’’تین آدمیوں کے علاوہ کسی کے لیے سوال کرنا جائز نہیں: شدید فقر کا شکار آدمی‘ یا شدید حاجت مند‘ یا تکلیف دہ دیت والا۔‘‘

۷) فی سبیل اللہ: اللہ کی راہ سے مراد وہ عمل ہے جس سے اللہ کی رضا اور جنت حاصل ہو سکے۔ خصوصاً اللہ کی راہ میں اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنا۔ لہٰذا مجاہد فی سبیل اللہ کو زکوٰۃ میں سے حصہ دیا جائے گا اگرچہ وہ دولت مند ہو۔ فی سبیل اللہ کے ذیل میں عوامی مفاد کے وہ تمام کام آ جاتے ہیں جو شریعت کی رو سے درست ہیں‘ مثلاً مسجدوں کی آبادی‘ ہسپتال‘ مدارس اور یتیم خانوں کی تعمیر وغیرہ۔ لیکن ان میں اوّلیت جہادی امور کو ہے‘ مثلاً جہاد کی ٹریننگ‘ اسلحہ‘ سفر خرچ اور اسی طرح کی دیگر جہادی ضروریات۔

---

۴۵) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الزکاۃ‘ باب ما تجوز فیہ المسألۃ۔

۸) مسافر: مسافر سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے وطن سے دور ہو اور سفر جاری نہ رکھ سکتا ہو' اگرچہ اپنے وطن میں وہ دولت مند ہی ہو۔ کیونکہ اسے سفر کی حالت میں ایسے حالات پیش آ گئے ہیں جن کی وجہ سے وہ مدد کا مستحق ہو گیا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اسے سفر کے دوران قرض نہ مل سکتا ہو جس سے وہ اپنی ضرورت پوری کر لے۔ اگر قرض مل سکتا ہو پھر اس پر قرض لینا ہی فرض ہے اور اسے زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی جب کہ وہ وطن میں صاحبِ استطاعت ہو۔

نوٹ:

۱) مسلمان ان آٹھ مصارف میں سے جس میں بھی زکوٰۃ ادا کر دے' اس کا فرض ادا ہو جائے گا۔ لیکن مناسب ہے کہ اس مصرف کو مقدم رکھا جائے جو زیادہ اہم ہے اور جس کی ضرورت زیادہ ہے۔ اگر زکوٰۃ کا مال زیادہ ہو اور اسے آٹھوں مصارف میں تقسیم کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

۲) جن افراد کے اخراجات برداشت کرنا ایک شخص کا (قانونی) فرض ہے' انہیں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ مثلاً والدین' بیٹے اور پوتے وغیرہ اور بیوی۔ لیکن ان پر حسبِ ضرورت خرچ کرنا اس کا فرض ہے۔

۳) نبی کریم ﷺ کے خاندان بنو ہاشم کو خصوصی شرف حاصل ہے' جس کی بنا پر انہیں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد' حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد شامل ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنبَغِیْ لِآلِ مُحَمَّدٍ ﷺ اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ)) (٤٦)

''صدقہ آلِ محمد ﷺ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ یہ تو لوگوں کا میل کچیل ہے۔''

۴) مسلمان جب اپنی زکوٰۃ اپنے مسلمان حکمران کو ادا کر دے تو وہ ادا ہو جاتی ہے اگرچہ حاکم ظالم ہی ہو۔ زکوٰۃ دینے والے کی ذمہ داری بہرحال پوری ہو جاتی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا اَدَّیْتَهَا اِلٰی رَسُوْلِیْ فَقَدْ بَرِئْتَ مِنهَا فَلَکَ اَجْرُهَا' وَاِثْمُهَا عَلٰی مَنْ بَدَّلَهَا)) (٤٧)

---

٤٦) صحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب ترک استعمال آل النبی ﷺ علی الصدقۃ۔

٤٧) مسند احمد۔

''جب تو نے میرے بھیجے ہوئے آدمی کو زکوٰۃ دے دی تو تُو اپنی ذمہ داری سے فارغ ہو گیا' تجھے اس کا ثواب مل جائے گا' گناہ اسے ہو گا جو اُس میں ناجائز تصرف کرے۔''

۵) زکوٰۃ نہ کافر کو دی جا سکتی ہے نہ فاسق کو' مثلاً بے نماز یا شریعت کے احکام کا مذاق اڑانے والا۔ کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

((تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ)) (۴۸)

''ان کے دولت مندوں سے لی جائے اور ان کے غریبوں کو واپس کر دی جائے۔''

یعنی مسلمان دولت مندوں سے لے کر مسلمان غریبوں کو دی جائے۔ اسی طرح دولت مند یا کمانے والے طاقتور آدمی کو بھی زکوٰۃ نہیں دینی چاہیے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا حَظَّ فِیْھَا لِغَنِیٍّ ' وَلَا لِقَوِیٍّ مُکْتَسِبٍ)) (۴۹)

''اس میں دولت مند کا اور کمانے والے طاقتور آدمی کا کوئی حصہ نہیں۔''

یعنی جو شخص اتنا کما لیتا ہے کہ اس کی جائز ضروریات پوری ہو جائیں۔

۶) ایک شہر کی زکوٰۃ اتنے دُور کے دوسرے شہر میں نہیں لے جانی چاہیے جتنے فاصلے پر نماز میں قصر کا حکم ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ ہیں:

((فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ))

''ان کے غریبوں کو واپس کی جائے۔''

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شہر میں زکوٰۃ کے مستحق غریب لوگ موجود نہ ہوں یا دوسرے شہر میں ضرورت زیادہ ہو تو پھر زکوٰۃ دوسرے شہر میں لے جائی جا سکتی ہے' جہاں مستحق غریب موجود ہوں' خواہ یہ کام شرعی حاکم کرے یا کوئی اور شخص۔

۷) اگر کسی غریب آدمی کے ذمہ کسی امیر آدمی کا قرض ہو' اور امیر آدمی اسے اپنی زکوٰۃ میں محسوب کرنا چاہے تو جائز ہے' بشرطیکہ غریب آدمی مطالبہ کے وقت تھوڑی بہت تکلیف اٹھا کر امیر آدمی کا قرض ادا کر سکتا ہو۔ لیکن اگر امیر آدمی کو وہ قرض واپس ملنے کی امید نہ ہو اور وہ اسے زکوٰۃ میں شمار کر لے تو یہ درست نہیں۔ یا غریب آدمی کو اس لیے زکوٰۃ دے کہ وہ اسے وہی رقم قرض کی ادائیگی کے طور پر واپس کر دے تو یہ جائز نہیں۔

۸) زکوٰۃ کی ادائیگی میں نیت ضروری ہے۔ اگر اس نے فرض زکوٰۃ کی نیت کیے بغیر

---

۴۸) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وتردّ فی الفقراء حیث کانوا۔

۴۹) سنن ابی داوٗد' کتاب الزکاۃ' باب من یُعطی من الصدقۃ وحدّ الغنٰی۔

کسی کو رقم ادا کر دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی)) (۵۰)

''عمل نیتوں سے ہوتے ہیں اور ہر آدمی کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔''

لہٰذا ادا کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مال کی فرض زکوٰۃ کی نیت کرے' اور اللہ کی رضامندی کا حصول اس کا مقصود ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ (البیّنة:۵)

''انہیں تو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں' خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے۔''

⑤ صدقۂ فطر

۱) اس کا حکم

زکوٰۃ فطر سنت ہے جو واجب کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ عَلَی الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰی وَالصَّغِیْرِ وَالْكَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (۵۱)

''رسول اللہ ﷺ نے رمضان المبارک میں ہر مسلمان آزاد' غلام' مرد' عورت' چھوٹے اور بڑے پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کی مقدار زکوٰۃِ فطر مقرر کی ہے۔''

۲) حکمت

صدقۂ فطر کی حکمت یہ ہے کہ روزہ رکھنے والے نے روزے کے دوران اگر نامناسب اور فضول کام کیے ہیں تو ایسے کاموں کے اثرات سے اس کے ذریعے دل کی صفائی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ غریب مسلمانوں کو عید کے دن کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

---

۵۰) صحیح البخاری' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ۔

۵۱) صحیح البخاری' کتاب الزکاۃ' باب فرض صدقة الفطر۔وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب زکاۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر (نحوه)۔

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ (٥٢)

''رسول اللہ ﷺ نے روزہ دار کو لغو اور بے ہودہ افعال سے پاک کرنے کے لیے اور مسکینوں کو کھانا مہیا کرنے کے لیے زکوٰۃِ فطر مقرر کی ہے۔''

اور ارشادِ نبویؐ ہے:

((اُغْنُوْهُمْ عَنِ السُّؤَالِ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ)) (٥٣)

''انہیں اس دن سوال کرنے کی ضرورت نہ رہنے دو۔''

۳) صدقۂ فطر کی مقدار اور جنس

اس کی مقدار ایک صاع ہے اور صاع چار مُدّ کا ہوتا ہے۔ صدقۂ فطر کے طور پر وہ جنس ادا کرنی چاہیے جسے علاقہ کے لوگ خوراک کے طور پر زیادہ استعمال کرتے ہوں' مثلاً گندم' جو' کھجور' چاول' منقہ اور پنیر وغیرہ۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كُنَّا نُخْرِجُ اِذْ كَانَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ عَنْ كُلِّ صَغِيْرٍ وَكَبِيْرٍ، حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْكٍ، صَاعًا مِنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِنْ اَقِطٍ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ، اَوْصَاعًا مِنْ تَمْرٍ، اَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيْبٍ)) (٥٤)

''جب رسول اللہ ﷺ ہمارے اندر موجود تھے تو ہم ہر چھوٹے' بڑے' آزاد اور غلام کی طرف سے بطور فطرانہ ایک صاع غلہ' یا ایک صاع پنیر' یا ایک صاع جو' یا ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع منقہ ادا کیا کرتے تھے۔''

۴) فطرانہ میں صرف خوردنی اشیاء ادا کریں

صدقۂ فطر کی ادائیگی صرف اشیائے خوردنی کی مذکورہ بالا قسموں میں سے کرنا ضروری ہے۔ مجبوری کے سوا اس کے بدلے رقم ادا کرنا درست نہیں' کیونکہ نبی کریم ﷺ سے صدقۂ فطر کی ادائیگی نقد رقم کی صورت میں ثابت نہیں' بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ایسی کوئی روایت

---

٥٢) سنن ابی داؤد' کتاب الزکاۃ' باب زکاۃ الفطر۔

٥٣) سنن البیھقی' کتاب الزکاۃ' باب وقت اخراج زکاۃ الفطر (اس کی سند ضعیف ہے)

٥٤) صحیح البخاری' ابواب صدقۃ الفطر' باب صاع من الزبیب۔ وصحیح مسلم' کتاب الزکاۃ' باب زکاۃ الفطر علی المسلمین من التمر والشعیر۔

نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی نقد رقم کی صورت میں ادائیگی کی ہو۔ [۵۵]

۵) اس کے وجوب اور ادائیگی کا وقت

صدقۂ فطر کی ادائیگی عید کی رات شروع ہونے پر واجب ہو جاتی ہے۔ اس کی ادائیگی عید سے ایک دو دن پہلے بھی کی جا سکتی ہے' کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا کیا ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ عید کے دن صبح صادق سے لے کر نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے' کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کے نماز عید کے لیے نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ مَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُوْلَةٌ' وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ)) [۵۶]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر روزے دار کو لغو اور بے ہودہ افعال سے پاک کرنے کے لیے اور مسکینوں کو خوراک مہیا کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ جس نے وہ نماز سے پہلے ادا کر دیا تو وہ مقبول زکوٰۃ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا وہ (عام) صدقوں کی طرح ایک صدقہ ہے۔''

اگر اُس وقت صدقۂ فطر ادا نہ کیا جا سکا ہو تو نماز عید کے بعد ادا کر دیا جائے۔ اُس وقت اور اس کے بعد بھی وہ ادا تو ہو جاتا ہے لیکن اتنی تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

۶) صدقۂ فطر کا مصرف

صدقۂ فطر بھی انہی جگہوں پر خرچ کیا جاتا ہے جہاں عام زکوٰۃ خرچ کی جاتی ہے' لیکن اس پر زیادہ حق فقراء اور مساکین کا ہے۔ کیونکہ ارشاد نبویؐ ہے:

((اُغْنُوْهُمْ عَنِ السُّؤَالِ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ)) [۵۷]

---

۵۵) چونکہ اس کا مقصد غریبوں کو عید کی خوشیوں میں شریک کرنا ہے' یہ مقصد نقد رقم سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر لین دین بھی غلہ کے ذریعے کر لیتے تھے۔ اس لیے ان کا نقد رقم ادا نہ کرنا منع ہونے کی دلیل نہیں۔ (مترجم)

۵۶) سنن ابی داوٗد' کتاب الزکاۃ' باب زکاۃ الفطر۔

۵۷) سنن البیھقی' کتاب الزکاۃ' باب وقت اخراج زکاۃ الفطر۔ (اس کی سند ضعیف ہے)

''انہیں اس دن سوال کی حاجت نہ رہنے دو۔''

فقراء اور مساکین کے علاوہ دوسروں کو صرف اسی وقت دیا جا سکتا ہے جب یہ لوگ موجود نہ ہوں، یا ان کا فقر معمولی ہو، یا دوسرے مصارف میں خرچ کرنے کی ضرورت زیادہ ہو۔

نوٹ :

۱) دولت مند خاتون اپنے غریب خاوند کو زکوٰۃ اور صدقہ دے سکتی ہے، لیکن اس کے برعکس دولت مند خاوند اپنی غریب بیوی کو زکوٰۃ اور صدقۂ فطر نہیں دے سکتا، کیونکہ عورت کا نان ونفقہ مرد کے ذمہ ہے، مرد کے اخراجات عورت کے ذمہ نہیں۔

۲) جس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود نہ ہو اُس پر صدقۂ فطر کی ادائیگی واجب نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔

۳) جس کے پاس ایک دن کی خوراک سے زیادہ تھوڑی بہت خوراک ہو اور وہ اتنی ہی صدقۂ فطر کے طور پر ادا کر دے تو کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**﴾ (التغابن:۱۶)

''جتنا ہو سکے اللہ سے ڈرو۔''

۴) ایک شخص کا فطرانہ کئی افراد میں تقسیم کر کے ادا کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک سے زیادہ افراد کا فطرانہ ایک ہی شخص کو ادا کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس بارے میں شریعت میں کوئی پابندی وارد نہیں ہے۔

۵) مسلمان جس شہر میں رہتا ہو اُس پر وہیں فطرانہ ادا کرنا واجب ہے۔

۶) فطرانہ بلاضرورت ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا حکم زکوٰۃ کی طرح ہے۔

حسنِ معاشرت

نرمی اور ملاطفت

قرآن وسنت کی روشنی میں

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اسلام رحمت اور رأفت کا دین ہے۔ اس کی تمام تعلیمات امن وسلامتی کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔ مسلمان دوسروں کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کرتا ہے۔ وہ کسی کے لیے پریشانی اور تکلیف کا باعث نہیں بنتا۔ اسلامی اخلاق صفاتِ عالیہ کا مرقع ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت میں زندگی گزارنے کا کامل اور بہترین نمونہ موجود ہے۔ آپؐ حقیقی معنوں میں معلمِ اخلاق تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ)) (۱)

''مجھے اخلاقی خوبیوں کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔''

چنانچہ حیاتِ طیبہ از اوّل تا آخر فضائلِ اخلاق پر ہی مشتمل ہے۔ آپ ﷺ نے اخلاقی محاسن کا جو نمونہ چھوڑا کوئی بڑے سے بڑا انسان اُس کے عشرِ عشیر تک بھی نہیں پہنچ سکا اور نہ ہی پہنچ سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانی عظمت کا راز اچھے اخلاق کو قرار دیا ہے۔ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ جو کچھ انسان کو عطا کیا گیا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اچھے اخلاق''۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دَور میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا۔ انہیں مدینہ سے رخصت کرتے وقت‘ جب وہ سواری پر سوار ہونے کے لیے پابہ رکاب تھے‘ آپؐ نے انہیں نصیحت کی کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ (۳)

اخلاقی خوبیوں میں ایک بہت بڑی خوبی جس پر اسلام میں بڑا زور دیا گیا ہے‘ وہ نرم مزاجی ہے۔ مسلمان دوسروں کا ہمدرد‘ غم گسار اور خیر خواہ ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے لیے

مشکلات اور پریشانیاں پیدا نہیں کرتا' بلکہ وہ معاشرے کا مفید اور بے ضرر فرد ہوتا ہے۔ اُس کی ذات سے کسی کو نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ))(٤)

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔

ایک اور جگہ ارشادِ نبوی ؐ ہے:

((وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ))(٥)

''اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف وخطر نہ ہو''

ویسے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمام فضائلِ اخلاق ہی اعلیٰ ترین معیار پر موجود تھے' تاہم اُن صفات میں آپ ؐ کی نرم مزاجی بہت نمایاں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا۔ میں چونکہ نوعمر لڑکا تھا اس لیے میرا ہر کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتا تھا' لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ ؐ نے اُف کہہ کر بھی مجھے نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا یا ایسا کیوں نہیں کیا۔ (سنن ابی داؤد)

جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود غلاموں اور خادموں کے ساتھ نرم رویے کی مثالیں چھوڑیں وہاں رحمۃ للعالمین ؐ نے اس کمزور مخلوق پر احسان فرماتے ہوئے دوسروں کو بھی تلقین فرمائی کہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک روا رکھا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں اپنے خادم کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ ؐ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اس نے پھر وہی سوال دہرایا اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ ؐ نے فرمایا ''ہر روز ستّر مرتبہ''۔ (سنن الترمذی)

نرم رویہ رکھنے والے کو دنیا میں عزت اور تکریم ملتی ہے' اس کی شخصیت دوسروں کے لیے کشش کا باعث ہوتی ہے' اُس کی بات پُرتاثیر ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نرمی اختیار کرنا خود اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس نے اپنے آپ کو الـرّء وف اور الـرّحیم کہا ہے۔ اور

"تخلّقوا باَخلاقِ اللّٰہ" کے تحت انسانوں کا بھی اس صفت سے موصوف ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور وہ نرم مزاج بندے پر اپنی عنایتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ وَیُعْطِیْ عَلَی الرِّفْقِ مَا لَا یُعْطِیْ عَلَی الْعُنْفِ وَمَا لَا یُعْطِیْ عَلٰی مَا سِوَاہُ)) (٦)

"یقیناً اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے اور نرمی اور مہربانی کرنا اُس کو محبوب ہے۔ اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا' اور جتنا کہ نرمی کے ماسوا کسی چیز پر بھی نہیں دیتا"۔

جب کوئی شخص خاص طور پر خادم کوئی غلطی کرتا ہے تو غصہ آنا فطری بات ہے' مگر اس غصّے کو پی جانا اور سختی کو ترک کر کے نرم رویہ اپنانا بڑے عزم و ہمت کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَۃِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَہٗ عِنْدَ الْغَضَبِ)) (٧)

"پہلوان وہ نہیں جو مدّ مقابل کو کُشتی میں پچھاڑ دے' بلکہ درحقیقت پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے"۔

غصے میں آدمی کا مزاج اعتدال سے ہٹ جاتا ہے' مگر ایسی حالت میں اللہ کی رضا کی خاطر غصہ پی جانا بڑی فضیلت کی بات ہے۔ بہادر شاہ ظفر کا شعر ہے:

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کی: "پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہیں؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا" وہ بندے جو (قصوروار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود اس کو) معاف کر دیں"۔ (٨)

ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے اُس کے ساتھ نرم رویہ رکھیں' خطا اور غلطی پر سختی نہ کریں بلکہ عفوودرگزر سے کام لیں۔ کوئی بھی نہیں چاہتا کہ اُس کے ساتھ سخت رویہ رکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند

کرتے ہو۔ پس ہر شخص کو چاہیے کہ جس طرح وہ خود اپنے ساتھ نرم رویے کی خواہش رکھتا ہے اسی طرح دوسروں کے ساتھ بھی نرمی کے ساتھ پیش آئے‘ کیونکہ وہ بھی نرمی چاہتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ)) (۹)

’’تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے‘‘۔

نرمی کی خصلت میں خیر ہی خیر ہے۔ نرم مزاج آدمی خوش بخت ہے۔ وہ دنیا میں بھی اس رویے کی برکات سے بہرہ مند ہوتا ہے اور انجام کار بھی اچھائی حاصل کرتا ہے۔ اس کے برعکس سخت مزاج آدمی کا معاملہ ہے کہ زندگی میں لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور اُس کی سخت مزاجی اُس کے انجام کی خرابی پر منتج ہوتی ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ‘ حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اُعْطِیَ حَظَّہٗ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ اُعْطِیَ حَظَّہٗ مِنَ الْخَیْرِ‘ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّہٗ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّہٗ مِنَ الْخَیْرِ)) (۱۰)

’’جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا تو اس کو دنیا و آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا اور جس کو نرمی نصیب نہیں ہوئی وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا‘‘۔

کتنی بڑی بات ہے کہ نرم خو آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ سے رہائی کی خوشخبری سنائی ہے! کسی انسان کے لیے اس سے بڑی نوید اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ جنت میں داخل کیا جائے گا اور جہنم کے دروازے اُس پر بند ہوں گے‘ گویا نارِ جہنم اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَنْ یَحْرُمُ عَلَی النَّارِ اَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَیْہِ النَّارُ؟ عَلٰی کُلِّ قَرِیْبٍ ھَیِّنٍ سَھْلٍ)) (۱۱)

’’کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کے لیے حرام ہے اور دوزخ کی آگ اُس کے لیے حرام ہے؟ سنو! (دوزخ کی آگ ہر ایسے شخص پر حرام ہے) جو لوگوں سے قریب ہونے والا ہو‘ نرم خو ہو اور لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے والا ہو‘‘۔

درشت مزاجی نرم مزاجی کی ضد ہے۔ پس سخت مزاج آدمی اُن تمام برکات سے محروم رہتا ہے جو نرم خو کو ملنے والی ہیں اور بدبختی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے الصادق المصدوق سیدنا ابو القاسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' آپؐ ارشاد فرماتے تھے:

((لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ)) (۱۲)

''رحم کا مادہ صرف بدبخت کے دل میں سے نکالا جاتا ہے۔''

سخت مزاج آدمی کی بدبختی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ اُسے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ)) (۱۳)

''سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔''

نرمی کی صفت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ نرم خو ربّ کی رحمتوں کا سزاوار ٹھہرتا ہے۔ طبیعت کی نرمی ہردلعزیزی کی علامت ہے۔ اس کے برعکس سخت مزاجی ہے کہ جو انسان کے لیے طرح طرح کے مسائل پیدا کرتی ہے۔ سخت مزاج آدمی خود اپنے ہاتھوں پریشانیاں پیدا کر کے انجامِ بد سے دوچار ہوتا ہے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ)) (۱٤)

''جو شخص نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا''۔

اسلام دینِ وسط ہے' اس کا کوئی ضابطہ حدِّ اعتدال سے ہٹا ہوا نہیں ہے۔ نرم مزاجی کے سلسلہ میں بھی اسلامی تعلیمات میں انتہا پسندی نہیں ہے۔ نرمی کا رویہ اگرچہ عمومی انداز میں قابل تعریف ہے' مگر اس کا استعمال بھی بصیرت کے ساتھ ہوگا۔ بعض اوقات سخت رویہ ضروری ہو جاتا ہے۔ جس شخص کے خلاف چوری' ڈکیتی یا قتل کا جرم ثابت ہو جائے تو قاضی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ نرم رویہ اختیار کرتے ہوئے ایسے مجرموں کو معاف کر دے' بلکہ ان مجرموں کو سزا دینا معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے' لہٰذا معاشرے کے امن و امان کو تباہ کرنے والے کسی نرمی کے مستحق قرار نہیں پا سکتے۔ قرآن مجید میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ﴾ (الشوریٰ: ٤٠)

''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے' پھر جو کوئی معاف کرے اور صلح کرے تو اس کا ثواب ہے اللہ کے ذمہ۔''

لہٰذا نرمی کا استعمال بھی عقل و بصیرت کے ساتھ ہوگا۔ نرمی کا سلوک وہاں ہوگا جہاں اصلاح کی امید ہو۔ مگر جہاں صورتِ حال ایسی ہو کہ نرم رویہ اور عفو و درگزر کا معاملہ مثبت نتائج نہیں دے گا' بلکہ نرم رویے سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے گا تو وہاں نرم رویہ یقیناً مناسب نہیں۔ اسوۂ حسنہ سے بھی ہمیں یہی تعلیم ملتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ سرتاپا حسنِ سیرت سے مزین تھے۔ آپؐ رحمۃ للعالمین تھے۔ نرمی اور عفو و درگزر آپؐ کی امتیازی شان تھی۔ آپؐ نے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کیا اور دشمنوں کے ساتھ بھی نرمی کا سلوک کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے تو آپؐ کے ظالم اور سفاک دشمن آپؐ کے سامنے شکست خوردہ موجود تھے۔ آپؐ نے کمالِ مہربانی کے ساتھ انہیں ﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾ کی نوید سنائی اور معاف کر دیا' مگر چند خطرناک افراد کو سزا بھی سنائی جو اس نرم سلوک کے مستحق نہ تھے۔

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ مسلمان بھائیوں کے ساتھ رحمت' شفقت' رأفت اور مہربانی کا رویہ رکھتا ہے' نیز اُس کو اُن غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے جو پُرامن زندگی بسر کر رہے ہوں اور اسلام کے خلاف اُن کے عزائم جارحانہ نہ ہوں۔ لیکن جب کفار و مشرکین مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کا رویّہ اختیار کریں تو پھر وہ کسی نرمی کے مستحق نہیں' بلکہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ پوری قوت اور سختی کے ساتھ اُن کو کچل دیں' کیونکہ اسلام کی فطرت میں باطل کی بالادستی قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان اس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ......﴾ (الفتح:۲۹)

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول' اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں' زور آور ہیں کافروں پر' جبکہ آپس میں نرم دل ہیں''۔

اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے: ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن!

باطل کے سامنے مسلمان لوہے کا چنا ثابت ہوگا۔ باطل کے ساتھ حق کی آویزش آج کی بات نہیں۔کسی بھی دَور میں حق نے باطل کے ساتھ مصالحت نہیں کی۔ بقولِ اقبال: ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

کفر اور اسلام کی جنگ میں مسلمانوں کو پوری قوت اور بہادری کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا ہے' بلکہ ایسی حالت میں میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے کی سزا جہنم بتائی گئی ہے۔البتہ جب کفار ومشرکین جنگی قیدی بن کر مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے تو وہ ہر طرح کے حسن سلوک کے مستحق ہوں گے۔نہ اُن کو ستایا جائے گا اور نہ ہی اُن کے ساتھ کسی طرح کا غیر انسانی سلوک روا رکھا جائے گا۔

حواشی

١) موطا امام مالك' كتاب الجامع' باب انه قد بلغه ان رسول الله ﷺ قال بعثت لاتمم حسن الاخلاق۔ ومسند احمد۔
٢) رواه البيهقی فی شعب الايمان۔
٣) موطا امام مالك
٤) صحيح البخاری' كتاب الايمان' باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔ وصحيح مسلم' كتاب الايمان' باب بيان تفاضل الاسلام وای اموره افضل۔
٥) سنن الترمذی' كتاب الايمان' باب ما جاء فی ان المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده۔وسنن النسائی' كتاب الايمان وشرائعه' باب صفة المؤمن۔
٦) صحيح مسلم' كتاب البر والصلة والآداب' باب فضل الرفق۔
٧) صحيح البخاری' كتاب الادب' باب الحذر من الغضب۔وصحيح مسلم' كتاب البر والصلة والآداب' باب فضل من يملك نفسه عند الغضب......الخ۔
٨) رواه البيهقی فی شعب الايمان۔
٩) صحيح البخاری' كتاب الايمان' باب من الايمان ان يحب لاخيه ما يحب لنفسه۔وصحيح مسلم' كتاب الايمان' باب الدليل علی ان من خصال الايمان ان يحب لاخيه۔
١٠) سنن الترمذی' كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ' باب ما جاء فی الرفق۔
١١) سنن الترمذی' كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ﷺ' باب منه۔
١٢) سنن الترمذی' كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ' باب ما جاء فی رحمة الناس۔ ومسند احمد۔
١٣) سنن الترمذی' كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ' باب ما جاء فی رحمة الناس۔
١٤) صحيح مسلم' كتاب البر والصلة والآداب ' باب فضل الرفق۔

تفہیم دین

مُحرَّمات (۳)

(حرام اُمور جن سے بچنا ضروری ہے)

حافظ محمد زبیر

(۱۰) مقتدی کا نماز میں امام سے آگے بڑھ جانا

انسان کی طبیعت میں عجلت پسندی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا﴾ (الاسراء/بنی اسراء یل)

''اور انسان بڑا جلد باز ہے۔''

یعنی ہر معاملے میں جلدی کرتا ہے چاہے خیر کا معاملہ ہو یا شر کا معاملہ۔

اکثر اوقات مساجد میں یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض حضرات نماز کے دوران امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں چلے جاتے ہیں اور اسی طرح امام کے رکوع یا سجدے سے سر اٹھانے سے پہلے ہی اپنا سر اٹھا لیتے ہیں۔ نماز میں امام کی اقتداء کرنا واجب ہے اور امام سے آگے بڑھنا حرام ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اُس شخص کے بارے میں بہت سخت وعید موجود ہے جو کہ نماز میں امام سے پہلے اپنے سر کو اٹھا لے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَمَا يَخْشَى الَّذِي يَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ يُحَوِّلَ اللّٰهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ)) (۱)

''کیا وہ شخص جو کہ امام (کے رکوع یا سجدے سے سر اٹھانے) سے پہلے اپنا سر اٹھا لیتا ہے' اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے؟''

اللہ کے رسول ﷺ نے نماز کے لیے سکینت اور وقار کے ساتھ آنے کا حکم دیا ہے۔ اور نماز میں سکینت و وقار کو اختیار کرنا تو بالاولیٰ مطلوب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں ہمیشہ

آپ ؐ سے پیچھے رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

اَنَّھُمْ کَانُوْا یُصَلُّوْنَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ لَمْ اَرَ اَحَدًا یَحْنِیْ ظَھْرَہٗ حَتّٰی یَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ جَبْھَتَہٗ عَلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَخِرُّ مَنْ وَرَاءَ ہٗ سُجَّدًا (۲)

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ ؐ رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو میں کسی ایک صحابی کو بھی نہ دیکھتا تھا جو کہ اپنی پشت کو جھکا رہا ہو یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے' پھر اس کے بعد وہ سجدے کے لیے جھکنا شروع کرتا تھا۔''

یہ حدیث بیان کر رہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدے کے لیے پیشانی زمین پر رکھ دیتے تو صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم سجدے کے لیے زمین کی طرف جھکنا شروع کرتے تھے۔ ایسے ہی جس طرح مقتدیوں کے لیے ہدایت ہے کہ وہ امام سے آگے نہ بڑھیں' امام کو بھی چاہیے کہ وہ ہر حرکت کے بعد ہی تکبیر کہے۔ اگر امام کسی حرکت سے پہلے ہی تکبیر کہے گا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ مقتدی امام سے حرکات میں آگے نکل جائیں گے۔

(۱۱) مسجد میں تھوم اور پیاز کھا کر آنا

مسجد میں ہر ایسی چیز کھا کر آنا ممنوع ہے کہ جس کی بدبو سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ اَکَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلًا فَلْیَعْتَزِلْنَا ـــــ اَوْ قَالَ فَلْیَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا ـــــ وَلْیَقْعُدْ فِیْ بَیْتِہٖ)) (۳)

''جو کوئی لہسن یا پیاز کھائے تو اسے چاہیے کہ ہم سے علیحدہ رہے ـــــ یا آپ ؐ نے یوں فرمایا کہ ہماری مسجد سے دور رہے ـــــ اور اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔''

مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

((مَنْ اَکَلَ الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَالْکُرَّاثَ فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا' فَاِنَّ الْمَلَائِکَۃَ تَتَاَذّٰی مِمَّا یَتَاَذّٰی مِنْہُ بَنُوْ آدَمَ)) (٤)

''جو کوئی پیاز' لہسن یا گیندنا (ایک تیز بو والی سبزی) کھائے تو ہماری مسجد کے قطعاً قریب نہ آئے' کیونکہ جس چیز سے بنی آدم کو اذیت ہوتی ہے اُس چیز سے فرشتوں کو

بھی اذیت ہوتی ہے۔''

اگر کسی نے لہسن یا پیاز وغیرہ کھانا ہی ہے تو اسے چاہیے کہ ان کو اچھی طرح پکا کر کھائے' تا کہ اُن کی بو زائل ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ جمعہ کے خطبے کے دوران فرمایا:

ثُمَّ اِنَّکُمْ اَیُّھَا النَّاسُ تَأْکُلُوْنَ شَجَرَتَیْنِ لَا اَرَاھُمَا اِلَّا خَبِیْثَتَیْنِ : ھٰذَا الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِذَا وَجَدَ رِیْحَھُمَا مِنَ الرَّجُلِ فِی الْمَسْجِدِ اَمَرَ بِہٖ فَاُخْرِجَ اِلَی الْبَقِیْعِ ' فَمَنْ اَکَلَھُمَا فَلْیُمِتْھُمَا طَبْخًا(۵)

''اے لوگو! میں تمہیں دو ایسے پودے استعمال کرتے دیکھتا ہوں جن کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ وہ خبیث ہیں' اور وہ دو پودے لہسن اور پیاز ہیں۔ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپؐ ان دونوں میں سے کسی کی بو مسجد نبوی میں کسی نمازی سے محسوس کر لیتے تو اُس کے بارے میں حکم دیتے اور اس آدمی کو مسجد سے جنت البقیع (قبرستان) کی طرف نکال دیا جاتا۔ تو جو بھی تم میں سے ان دونوں کو کھانا چاہے تو اسے چاہیے کہ ان کو اچھی طرح پکا کر ان (کی بو) کو ختم کر کے کھائے''۔

جو لوگ سگریٹ' حقہ یا نسوار وغیرہ استعمال کرنے کے بعد مسجد میں نماز کے لیے آتے ہیں اُن کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ اگر ایسے آدمیوں کے مُنہ سے آنے والی بدبو سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اُن کو مسجد سے نکال دینا چاہیے' یہاں تک کہ وہ اپنے مُنہ کی بو کو زائل کریں اور پھر مسجد میں آئیں۔

(۱۲) زکوٰۃ ادا نہ کرنا

نماز کی طرح زکوٰۃ بھی اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے جس کی ادائیگی ہر صاحبِ نصاب پر سال گزرنے پر ضروری ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو مشرکین کے ساتھ تشبیہہ دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۝﴾ (فُصّلت/حٰمٓ السجدة)

''اور بربادی ہو اُن مشرکوں کے لیے' جو کہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ﴾ (آل عمران: ۱۸۰)

''اور وہ لوگ جو کہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل سے کام لیتے ہیں (یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے)' وہ قطعاً یہ گمان نہ کریں کہ اُن کا یہ فعل ان کے لیے بہتر ہے' بلکہ یہ ان کے لیے بدتر ہے' اور جس مال کے بارے میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہو عنقریب وہ مال طوق بنا کر قیامت کے دن اُن کی گردنوں میں ڈالا جائے گا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

((مَا مِنۡ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيۡ زَكَاةَ مَالِهٖ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ فِيۡ عُنُقِهٖ شُجَاعًا)) ثُمَّ قَرَأَ عَلَيۡنَا مِصۡدَاقَهٗ مِنۡ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ...... الآية﴾ (۶)

''کوئی آدمی ایسا نہیں جو کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے' مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی گردن میں ایک سانپ ڈال دے گا''۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید سے یہ آیۂ مبارکہ تلاوت کی: ﴿وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ...... الآية﴾۔''

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِيۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ﴿۳۵﴾﴾ (التوبة)

''اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ہیں تو آپؐ ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ اُس دن اس سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں' پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا' (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جس کو تم جمع کرتے تھے اپنے لیے' پس تم چکھو اس کا عذاب جس کو تم جمع کرتے تھے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی موجود ہے جو کہ اس آیۂ مبارکہ کی تشریح کر رہی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ صَاحِبِ كَنْزٍ لَا يُؤَدِّیْ حَقَّهٗ اِلَّا جَعَلَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جَبْهَتُهٗ وَجَنْبُهٗ وَظَهْرُهٗ حَتّٰی یَقْضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی بَیْنَ عِبَادِهٖ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّوْنَ ثُمَّ یَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ))(۷)

''جو بھی صاحبِ مال اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے جمع شدہ مال کو جہنم کی آگ میں تپائیں گے اور اس سے اس کی پیشانی' پہلو اور کمر کو داغ دیں گے اور یہ معاملہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان اس دن فیصلہ فرما دے جو کہ تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے' پھر اس کے بعد وہ جنت یا جہنم کی طرف چلا جائے گا۔''

ہم اِن قرآنی آیات اور احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اسلامی معاشرے پر نگاہ دوڑائیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ بہت کم افراد ہیں کہ جو صحیح معنوں میں اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ درحقیقت زکوٰۃ ہمارے اموال میں اللہ کا حصہ ہے' ہمیں ہر صورت اس حصے کو نکالنا ہے' اگر نہیں نکالیں گے تو اللہ کے ہاں سخت گناہ گار رہوں گے۔

(۱۳) بغیر کسی عذر کے رمضان کا روزہ چھوڑ دینا

رمضان کے مہینے کے روزے رکھنا ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾﴾ (البقرۃ)

''اے اہل ایمان! تمہارے اوپر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلی اُمتوں پر فرض کیا گیا تھا' تاکہ تم متقی بن جاؤ''۔

اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن روزہ بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ : شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِیْتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ))(۸)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اور نماز قائم کرنا' اور زکوٰۃ ادا کرنا' اور حج

کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

جان بوجھ کر بغیر کسی شرعی عذر کے رمضان کے مہینے کے کسی ایک روزے کو بھی ترک کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رمضان کے روزوں کے ترک کرنے کو کفر قرار دیا ہے۔ آپؓ کا قول ہے:

عُرَی الْاِسْلَامِ ثَلَاثٌ : شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالصَّلَاةُ وَصَوْمُ رَمَضَانَ فَمَنْ تَرَکَ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ فَهُوَ کَافِرٌ(۹)

''اسلام کا کڑا تین چیزیں ہیں: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' اور نماز ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ پس جس نے ان میں سے ایک کو بھی چھوڑ دیا تو وہ کافر ہے۔''

(۱۴) استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾ (آل عمران:۹۷)

''اور اللہ کا لوگوں پر یہ حق ہے کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں' جو بھی وہاں تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو''۔

ہر صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ مَلَکَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰی بَیْتِ اللّٰهِ وَلَمْ یَحُجَّ فَلَا عَلَیْهِ اَنْ یَمُوْتَ یَهُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا وَذٰلِکَ اَنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ فِیْ کِتَابِهٖ : ﴿وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾))(۱۰)

''جس کے پاس کچھ زادِ راہ اور بیت اللہ تک پہنچانے کے لیے کوئی سواری موجود ہو اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو (اللہ کو) اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرتا ہے یا عیسائی ہو کر' اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا﴾''

یہ روایت ضعیف ہے' اس کے بعض طرق صحیح ہیں لیکن وہ موقوف ہیں۔ جیسا کہ صاحبِ تحفۃ الاحوذی اس حدیث کی شرح میں ابن حجر کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابن حجر نے تلخیص میں لکھا ہے:

وله طريق صحيحة الا انها موقوفة رواها سعيد بن منصور والبيهقى عن عمر بن الخطاب قال : لقد هممت أن أبعث رجالا الى اهل الامصار فينظروا كل من كان له جدة ولم يحج فيضربوا عليه الجزية ما هم بمسلمين ' ماهم بمسلمين. لفظ سعيد. (۱۱)

''اوراس حدیث کا ایک صحیح طریق بھی ہے' لیکن وہ موقوف ہے۔ اس کو سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ارادہ کیا کہ میں کچھ آدمیوں کو مختلف شہروں کی طرف بھیجوں اور وہ یہ جائزہ لیں کہ کون ایسا شخص ہے جس کے پاس استطاعت تھی لیکن اس نے اس کے باوجود حج نہ کیا' پھر وہ ایسے افراد پر جزیہ عائد کریں۔ یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں' یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔ یہ الفاظ سنن سعید بن منصور کے ہیں۔''

(۱۵) زنا

شریعت کے مقاصد میں سے ایک مقصد انسان کی عزت و آبرو اور اس کی نسل کی حفاظت ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل کی خاطر شریعت اسلامیہ میں زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝۳۲﴾

(الاسراء/بنی اسراءیل)

''اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ! بے شک وہ کھلی بے حیائی کا کام اور برا راستہ ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اندازِ خطاب قابل غور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ زِنا نہ کرو' بلکہ یہ حکم جاری فرمایا کہ زِنا کے قریب بھی مت جاؤ۔ یعنی ایسے تمام ذرائع و وسائل جو زِنا تک لے جانے کا سبب بنیں' وہ بھی حرام ہیں۔ مثلاً غیرمحرم عورت کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا وغیرہ۔ غیر شادی شدہ زانی مرد اور عورت کی سزا قرآن میں سو کوڑے بیان ہوئی ہے۔ اگر کوئی شادی شدہ مرد یا عورت زنا کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان کی سزا رجم ہے' یعنی ان کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ یہ تو دنیا میں زنا کی سزا ہے' جہاں تک آخرت کی سزا کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جس میں حضرات جبرئیل اور میکائل علیہما السلام نے

آپؐ کو جنت وجہنم کی سیر کروائی۔اب اس حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

((...... فَانْطَلَقْنَا اِلٰی ثَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّوْرِ اَعْلَاهُ ضَیِّقٌ وَاَسْفَلُهُ وَاسِعٌ یَتَوَقَّدُ تَحْتَهُ نَارًا فَاِذَا اقْتَرَبَ ارْتَفَعُوْا حَتّٰی کَادَ اَنْ یَّخْرُجُوْا فَاِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِیْهَا وَفِیْهَا رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالَا انْطَلِقْ ...... وَالَّذِیْ رَاَیْتَهُ فِی الثَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ)) (۱۲)

’’......تو ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک گڑھے پر ہمارا گزر ہوا جو کہ تنور کی مانند تھا‘ اس کا اوپر والا حصہ تنگ تھا جبکہ نیچے والا حصہ کھلا تھا‘ اس کے نیچے آگ بھڑک رہی تھی۔جب بھی وہ آگ (تنور کے کناروں کے) قریب آجاتی تو وہ لوگ اوپر اٹھ آتے تھے اور باہر نکلنے کے قریب ہوجاتے‘اور جب آگ کی لپٹ ختم ہوجاتی تو سب لوگ اندر چلے جاتے۔اوراس گڑھے میں ننگے مرداورعورتیں تھیں‘تو میں نے ان دونوں سے سوال کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو ان دونوں (فرشتوں) نے جواب دیا آگے چلیے ......اورجس قوم کوآپؐ نے گڑھے میں دیکھا وہ زانی ہیں۔‘‘

زنا کے بارے میں بعض احادیث میں آیا ہے کہ زنا سے انسان کا ایمان ناقص ہوجاتا ہے۔اللہ کے رسولﷺ کی ایک حدیث ہے:

((لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ)) (۱۳)

’’کوئی بھی زنا کرنے والا حالت ایمان میں زنا نہیں کرتا‘ کوئی بھی شراب پینے والا حالت ایمان میں شراب نہیں پیتا اور کوئی بھی چوری کرنے والا حالت ایمان میں چوری نہیں کرتا۔‘‘

جب بھی کوئی آدمی زنا‘ شراب نوشی اور چوری جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کررہا ہوتا ہے تو اُس وقت اس کا ایمان کامل نہیں رہتا‘یعنی جومطلوب ایمان ہے وہ اس سے رخصت ہوجاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ ......﴾ (الفرقان:۶۸۔۷۰)

’’اور(یہ وہ لوگ ہیں) جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ ہی کسی ایسی

5

جان کو قتل کرتے ہیں جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو' مگر حق کے ساتھ' اور زنا نہیں کرتے۔ اور جو بھی یہ کام کرے گا تو وہ اس کا وبال چکھ لے گا۔ قیامت کے دن ایسے شخص کے لیے عذاب کو دوگنا کیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو کر پڑا رہے گا۔ سوائے اس کے کہ جس نے توبہ کر لی......''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپؐ نے جواب دیا:

((اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰہِ نِدًّا وَھُوَ خَلَقَکَ)) قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ: ((ثُمَّ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ خَشْیَۃَ اَنْ یَّطْعَمَ مَعَکَ)) قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ : ((اَنْ تُزَانِیَ بِحَلِیْلَۃِ جَارِکَ)) قَالَ وَنَزَلَتْ ھٰذِہِ الْآیَۃُ تَصْدِیْقًا لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ : ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ﴾(۱٤)

''کہ تو اللہ کا کوئی مدّ مقابل ٹھہرائے' حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''پھر یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گی۔'' (یعنی مفلسی کے ڈر سے)۔ میں نے کہا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ کے اس قول کی تصدیق کے لیے درج ذیل آیت نازل ہوئی: **﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ﴾**''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثَۃٌ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ ——— قَالَ اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ: وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ ——— وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ : شَیْخٌ زَانٍ وَمَلِکٌ کَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَکْبِرٌ))(۱۵)

''تین افراد ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو اُن سے کلام کرے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا— ابو معاویہ نے کہا: اور ان کی طرف دیکھے گا بھی نہیں— اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: ایک بوڑھا زانی' دوسرا جھوٹا حکمران اور تیسرا متکبر فقیر۔''

(۱٦) عملِ قومِ لوط

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم میں یہ برائی تھی کہ وہ مردوں سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتے تھے' جس کی وجہ سے ان پر اللہ کی طرف سے سخت عذاب آیا۔ یہ عذاب چار طرح کا تھا: ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا گیا' ایک بہت بڑی چیخ نے ان کو پکڑا' فرشتے نے ان کی بستیوں کو زمین سے اٹھا کر اوندھا کر دیا اور اُن پر پتھروں کی لگاتار بارش برسائی گئی۔ ان سے پہلے کسی بھی قوم میں یہ عذاب جمع نہیں کیے گئے تھے۔ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ بیان ہوا ہے۔ ایک جگہ ان پر بھیجے جانے والے عذاب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾﴾ (الحجر)

''صبح ہوتے ہی ان کو ایک چیخ نے آ پکڑا' اور ہم نے ان کی بستیوں کے اوپر والے حصے کو نیچے کر دیا اور ان پر کھنگرے پتھر برسائے۔''

اُمت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ عملِ قومِ لوط کبائر میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ وَجَدْتُّمُوْهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِهٖ))[۱٦]

''جس کو بھی تم عملِ قومِ لوط کرتے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔''

امام ترمذی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس فعل کے مرتکب شخص کی حدّ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْعِلْمِ فِیْ حَدِّ اللُّوْطِیِّ فَرَاٰی بَعْضُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِ الرَّجْمَ اَحْصَنَ اَوْ لَمْ يُحْصِنْ وَهٰذَا قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِیِّ وَاَحْمَدَ وَاِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ وَاِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِیُّ وَعَطَاءُ بْنُ اَبِیْ رَبَاحٍ وَغَيْرُهُمْ قَالُوْا حَدُّ اللُّوْطِیِّ حَدُّ الزَّانِیْ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیِّ وَاَهْلِ الْكُوْفَةِ[۱۷]

''اور اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ لوطی کی کیا حدّ ہے۔بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ لوطی چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ' اس کی سزا رجم ہے اور یہ رائے امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور امام اسحٰق ﷭ کی ہے۔اور بعض اہل علم کا کہنا ہے جو کہ فقہائے تابعین میں سے ہیں کہ لوطی کی حد وہی ہے جو کہ زانی کی حد ہے۔ یہ رائے حسن بصری' ابراہیم نخعی' عطاء بن ابی رباح ﷭ وغیرہم کی ہے۔سفیان ثوری اور اہل کوفہ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔''

جس طرح عورت کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھنا حرام ہے' اسی طرح بے ریش خوبصورت لڑکے کی طرف بھی شہوت کی نظر سے دیکھنا حرام ہے۔اسی وجہ سے بعض سلف صالحین خوبصورت نوجوان لڑکوں کی طرف دیکھنے اور ان سے مجلس کرنے سے اعراض کرتے تھے۔امام ذہبی اپنی کتاب ''الکبائر'' میں علمائے سلف کے چند واقعات نقل کرتے ہیں۔

(۱) ایک دفعہ سفیان ثوریؒ حمام میں داخل ہوئے اور اس وقت ایک خوبصورت لڑکا بھی حمام میں آیا' تو سفیان ثوری نے فرمایا کہ ''اس کو یہاں سے نکال دو' اس کو یہاں سے نکال دو' کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ہر عورت کے ساتھ ایک شیطان ہے' جبکہ ہر خوبصورت لڑکے کے ساتھ تقریباً سترہ شیطان ہوتے ہیں۔''

(۲) ایک دفعہ حضرت امام احمدؒ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا تھا' تو امام احمد نے اس سے پوچھا یہ لڑکا کون ہے؟ اس نے کہا میرا بھانجا ہے۔ تو امام احمد نے اس آدمی سے کہا کہ ''اس لڑکے کو دوبارہ ہمارے پاس مت لانا اور اس کو ساتھ لے کر رستے میں مت چل۔ یہ نہ ہو کہ جو شخص تمہارے اس باہمی تعلق کو نہیں جانتا وہ تمہارے بارے میں کوئی برا گمان کرے۔''(۱۸)

(۱۷) بیوی سے دُبر میں جماع کرنا

بیوی کے ساتھ دبر میں جماع کرنے والے کو اللہ کے رسول ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے۔آپؐ کا ارشاد ہے:

((مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتَی امْرَأَتَـهٗ فِیْ دُبُرِهَا))(۱۹)

''وہ شخص ملعون ہے جو اپنی بیوی سے اس کی دبر میں جماع کرتا ہے۔''

بیوی کے ساتھ عملِ قومِ لوط کرنا انتہائی قبیح فعل ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اسے کفر سے

تشبیہ دی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِ امْرَاَۃً فِیْ دُبُرِھَا اَوْ کَاھِنًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ)) (۲۰)

''جس نے اپنی عورت سے حالتِ حیض میں یا دُبر میں جماع کیا یا کسی کاہن کے پاس آیا تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو کہ محمد ﷺ پر نازل کی گئی۔''

یہاں تک کہ اگر طرفین اس کام پر راضی بھی ہوں پھر بھی یہ قطعاً حلال نہ ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ﴾ (البقرۃ:۲۲۳)

''تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتی کی مانند ہیں' تو تم اپنی کھیتی کو آؤ جہاں سے تم چاہو۔''

قرآن کے الفاظ ﴿فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ﴾ بہت اہم ہیں۔ ''حرث'' سے مراد عورت کی فرج ہی ہوسکتی ہے' کیونکہ ''حرث'' کھیتی کو کہتے ہیں اور عورت کی فرج ہی کھیتی ہے جہاں سے مرد کے لیے اس کی اگلی نسل کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ قرآن نے ''حرث'' میں آنے کا حکم دیا۔ اس لیے ''غیر حرث'' میں آنا ممنوع ہے۔ ''غیر حرث'' عورت کی دبر بھی ہوسکتی ہے اور اس کا مُنہ بھی۔ مغرب سے جنس (sex) کی جو تحریک چلی ہے اس نے آہستہ آہستہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا ہے۔ یہ اسی تحریک کے اثرات ہیں کہ آج مسلمان معاشروں میں بھی اورل سیکس (oral sex) کو مباح قرار دینے والے سکالرز پیدا ہو رہے ہیں۔ اس بے ہودہ فعل کی تردید کے لیے فطرتِ انسانی کی گواہی ہی کافی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی درج بالا آیت مبارکہ بھی اس کے ناجائز ہونے کے لیے نصِ قطعی ہے۔ قرآن مجید نے ''حرث'' میں آنے کا حکم دیا ہے چاہے انسان جس طرح سے بھی آئے۔ البتہ ''غیر حرث'' میں آنے کی ایک صورت جو کہ اُس وقت کے عرب معاشرے میں رائج تھی' اس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرامین میں اشارہ فرما دیا اور اس سے منع کر دیا۔

(۱۸) حالتِ حیض میں عورت سے جماع کرنا

حالتِ حیض میں عورت سے جماع کرنا حرام ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ

7

﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ (البقرة:۲۲۲)

''اور (اے نبی ﷺ!) آپؐ سے یہ حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپؐ ان سے فرما دیں کہ وہ گندگی ہے' پس حیض کے دنوں میں عورتوں سے علیحدہ رہو اور ان کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔''

اللہ کے رسول ﷺ کے مذکورہ بالا فرمان سے بھی اس فعل کی حرمت واضح ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِ امْرَاَةً فِیْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ))

''جس نے اپنی عورت سے حالتِ حیض میں یا دُبر میں جماع کیا یا کسی کاہن کے پاس آیا تو اس نے اس وحی کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی۔''

اگر کوئی شخص بھول کر حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع کر لیتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی فدیہ ہے' لیکن اگر کوئی جان بوجھ کر حالت حیض میں بیوی سے جماع کرے گا تو وہ گناہ گار بھی ہوگا اور اسے اس کا فدیہ بھی ادا کرنا ہوگا۔ یہ فدیہ ایک دینار (یا اس کی قیمت) یا پھر نصف دینار (یا اس کی قیمت) ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ کے رسول ﷺ سے اُس شخص کے بارے میں نقل کرتے ہیں جس نے اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں جماع کیا تو آپؐ نے فرمایا:

((يَتَصَدَّقُ بِدِيْنَارٍ اَوْ نِصْفِ دِيْنَارٍ)) (۲۱)

''ایسا شخص ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے گا۔''

بعض علماء کے نزدیک فدیے میں اختیار ہے چاہے ایک دینار دے یا نصف دینار' جبکہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اگر حیض کے ابتدائی ایام میں جماع کیا تو ایک دینار فدیہ دے اور اگر آخری ایام میں جماع کیا تو نصف دینار فدیہ ہوگا۔ اور ایک دینار ۴.۲۵ گرام سونے کے برابر ہوتا ہے۔ حالت حیض میں عورت کے ساتھ کس حد تک مباشرت جائز ہے' اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ تہبند کے اوپر مباشرت جائز ہے۔ جبکہ سفیان ثوری اور داؤد ظاہری کا موقف یہ ہے کہ صرف خون کی جگہ سے بچنا چاہیے' اس کے علاوہ باقی جسم سے مباشرت جائز ہے۔ بہر حال حالت حیض میں لباس پہنے ہوئے عورت کے ساتھ سونے اور کھانے پینے وغیرہ میں سے کسی

چیز کے بارے میں ممانعت نہیں ہے۔

حواشی

۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تحریم سبق الامام برکوع أو سجود ونحوهما۔
۲) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب متابعة الامام والعمل بعده۔
۳) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب ما جاء فی الثوم النی والبصل والکراث۔
٤) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب نهی من اکل ثوما او بصلاً او کراثاً او نحوها مماله۔
٥) حوالہ مذکورہ بالا۔
٦) سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول الله ﷺ، باب ومن سورة آل عمران۔
۷) سنن ابی داوٗد، کتاب الزکاۃ، باب فی حقوق المال۔
۸) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب بنی الاسلام علی خمس۔
۹) کتاب الکبائر، امام ذهبی، ص ۳۸۔
۱۰) سنن الترمذی، کتاب الحج عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی التغلیظ فی ترك الحج۔
۱۱) ایضاً، تحفة الاحوذی۔
۱۲) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین۔
۱۳) صحیح البخاری، کتاب المظالم والغصب، باب النهبی بغیر اذن صاحبه۔
۱٤) صحیح البخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب قوله والذین لا یدعون مع الله الها آخر ولا یقتلون۔
۱٥) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن والعطیة۔
۱٦) سنن الترمذی، کتاب الحدود عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی حد اللوطی۔ (**امام ترمذی نے اس حدیث کوضعیف کہا ہے**)
۱۷) حوالہ مذکورہ بالا۔
۱۸) کتاب الکبائر، امام ذهبی، ص ۵۸، ۵۹۔
۱۹) سنن ابی داوٗد، کتاب النکاح، باب فی جامع النکاح۔
۲۰) سنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء فی کراهیة إتیان الحائض۔
۲۱) سنن ابی داوٗد، کتاب الطهارة، باب فی إتیان الحائض۔

1

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (30)

پاکستان (9)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

1946ء کے عام انتخابات

1946ء کے اوائل میں انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے کل ووٹوں کا 75 فیصد حاصل کیا اور صوبائی اسمبلیوں میں 492 مسلم نشستوں میں سے 425 اور مرکزی اسمبلی کی پوری کی پوری 30 نشستیں جیت کر ثابت کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

صوبائی حکومتوں کی تشکیل کے وقت کانگریس نے اپنے سابقہ طرزِ عمل کو برقرار رکھتے ہوئے ہندو اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور وہاں خالص کانگرسی حکومتیں قائم ہوگئیں۔ اس کے برعکس مسلم اکثریتی صوبوں میں اس نے حتی المقدور کوشش کی کہ وہاں تمام غیر مسلم اور معدودے چند غیر لیگی مسلمان ارکان مل کر مخلوط وزارت بنا لیں تاکہ مسلم لیگ اقتدار سے محروم رہے، چنانچہ پنجاب میں اگرچہ مسلم لیگ مسلمانوں کی 86 میں سے 73 نشستوں پر قابض تھی، لیکن کانگریس کی زیر سرپرستی خضر حیات ٹوانہ نے ہندو اور سکھ ارکان کے ساتھ مل کر وزارت بنالی اور اس سلسلے میں صوبے کے انگریز گورنر نے بھی اس گٹھ جوڑ کا ساتھ دیا۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب نے غیر مسلم ارکان کے تعاون سے کانگرسی وزارت بنائی، البتہ سندھ اور بنگال میں یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی اور وہاں علی الترتیب سر غلام حسین، ہدایت اللہ اور حسین شہید سہروردی کی قیادت میں مسلم لیگی حکومتیں قائم ہوگئیں۔

19/ اپریل 1946ء کو دہلی میں مسلم لیگ کے منتخب ارکان اسمبلی کا ایک کنونشن منعقد ہوا جس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ ''شمال مشرقی علاقے میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ایک خود مختار مملکت قائم کی جائے'' اور اعلان کیا گیا کہ متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر اگر کوئی دستور مسلط کرنے یا مرکز میں مسلم لیگ کے مطالبے کے خلاف جبراً عبوری

انتظام کرنے کی کوشش کی گئی تو مسلمان اپنی بقا اور قومی تحفظ کے لیے تمام ممکن طریقوں سے اس کی مخالفت کریں گے۔

کیبنٹ مشن

برطانیہ میں لیبر پارٹی برسراقتدار آ چکی تھی' جو بوجوہ ہندوستان کو جلد از جلد آزادی دینے کی خواہاں تھی' چنانچہ انتقالِ اقتدار کے طریق کار کے بارے میں ہندوستانی رہنماؤں کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے لیے ایک وزارتی مشن بھیجا گیا۔ اس وفد نے' جو لارڈ پیتھک لارنس (وزیر ہند)' سر سٹیفورڈ کرپس اور سر اے وی الیگزینڈر پر مشتمل تھا' 24/اپریل 1946ء کو ہندوستان پہنچ کر سیاسی مذاکرات شروع کر دیے۔ طویل مشاورت کے بعد 16 مئی کو وزارتی وفد نے نئے منصوبے کا اعلان کیا' جس میں یہ امور شامل تھے: (ا) برطانوی ہند اور ریاستوں پر مشتمل وحدتِ ہندوستان کے قیام کے لیے ایک نمائندہ ادارے کی تشکیل۔ (ب) مرکز میں عبوری حکومت کا قیام اور (ج) صوبوں کی گروہ بندی۔ وحدتِ یونین کے لیے تجویز ہوا کہ امور خارجہ' دفاع اور مواصلات اس کے دائرۂ اختیار میں ہوں گے اور تمام دوسرے اختیارات صوبوں کو ملیں گے۔ صوبے مندرجہ ذیل تین گروہوں میں تقسیم ہوں گے اور ہر ایک کی اپنی انتظامیہ اور مقنّنہ ہوگی: (ا) شمال مغرب کے مسلم اکثریتی صوبے' یعنی پنجاب' سرحد' سندھ اور بلوچستان۔ (ب) شمال مشرق کے مسلم اکثریتی صوبے' یعنی بنگال اور آسام۔ (ج) باقی تمام صوبے' نئے آئین کے بعد صوبوں کو مقنّنہ میں کثرتِ رائے کی بنا پر اپنا گروہ تبدیل کرنے کی اجازت ہوگی۔

عبوری حکومت کے قیام کے سلسلے میں یہ تجویز ہوا کہ وائسرائے کا حق تنسیخ اور برطانوی حکومت کی بالادستی نئی حکومت کو منتقل نہیں ہوگی' البتہ ایگزیکٹو کونسل کے تمام ارکان ہندوستانی ہوں گے اور چودہ ارکان میں سے پانچ پانچ کانگریس اور مسلم لیگ کے اور باقی چار اقلیتوں کے نمائندے لیے جائیں گے۔ آئین ساز ادارے کے لیے تمام صوبوں کو آبادی کے تناسب سے اس طرح نمائندگی دی جائے گی کہ بڑی اقلیتوں کو ان کی آبادی کے اعتبار سے نیابت مل جائے' نیز کسی صوبے میں ہر فرقے کے لیے جتنے نمائندے معین کیے گئے ہیں ان کا انتخاب اس صوبے کی مجلس قانون ساز کے وہی ارکان کریں جو اس فرقے کے ہوں۔ اس سلسلے میں صرف تین فرقے تسلیم کیے گئے: عام' مسلمان اور سکھ۔

تجویز کیا گیا تھا کہ صوبوں اور دیسی ریاستوں کے نمائندے نئی دہلی میں جمع ہو کر چیئرمین کا انتخاب کریں گے اور تین فریقوں میں بٹ جائیں گے۔ (ا) مدراس' بمبئی' صوبجات متحدہ' بہار' صوبۂ متوسط اور اڑیسہ۔ (ب) پنجاب' صوبہ سرحد اور سندھ۔ (ج) بنگال اور آسام۔ یہ تینوں فریق نہ صرف اپنے مجموعے کے صوبوں کے لیے دستور کا فیصلہ کریں گے' بلکہ اس بات کا بھی کہ مجموعے کا بھی کوئی

دستور قائم یا وضع کرنا ہے، اور اگر کرنا ہے تو کون سے شعبے مجموعے کے مرکز کی تحویل میں ہوں گے اور کون سے صوبوں میں۔ مجموعوں کے دستوروں کا فیصلہ ہونے کے بعد تینوں فریق پھر یکجا ہو کر اور ریاستوں کے اشتراک سے مکمل مجلس دستور ساز بنا کر کل ہند یونین کا دستور وضع کریں گے، جس کے بعد حکومت برطانیہ اور مجلس دستور ساز کے درمیان ان امور کے بارے میں گفت وشنید ہوگی جو انتقالِ اختیارات سے پیدا ہوں گے۔

مسلم لیگ اس منصوبے سے غیر مطمئن تھی، پھر بھی 6 جون کو اسے اس بنا پر منظور کر لیا گیا کہ اس میں قیام پاکستان کی بنیاد موجود تھی۔ کانگریس مرکزی حکومت کے محدود اختیارات پر خوش نہ تھی، لیکن اس نے آئین ساز اسمبلی میں شمولیت پر آمادگی ظاہر کی۔ دونوں جماعتوں کا خیال تھا کہ نئے حالات اسی کے حق میں جائیں گے۔ 16 جون کو وزارتی وفد نے چھ کانگرسیوں (جن میں ایک کا تعلق پس ماندہ اقوام سے ہوگا) پانچ مسلم لیگیوں، ایک سکھ، ایک عیسائی اور ایک پارسی کو نئی ایگزیکٹو کونسل میں نمائندگی کے لیے چنا۔ مسلم لیگ نے یہ فیصلہ قبول کر لیا، لیکن کانگریس نے اس میں قوم پرست مسلمان کا نام نہ پا کر شمولیت سے انکار کر دیا۔ 16 جون کے اعلان میں وائسرائے نے واضح کر دیا تھا کہ اگر ایک جماعت شرکت نہ کرے تو وائسرائے دوسری تعاون کرنے والی جماعتوں پر مشتمل عبوری حکومت بنا لے گا، لیکن کانگریس کے انکار کے بعد وہ اپنے وعدے سے پھر گیا، جس سے مسلم لیگ کو سخت مایوسی ہوئی۔ 10 جولائی کو کانگریس کے نئے صدر پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی پریس کانفرنس میں وزارتی مشن کے منصوبے کی منظوری کے بارے میں کانگریس کا موقف بالکل تبدیل کر دیا۔ انہوں نے صوبوں کی گروپ بندی کے اصول کو ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے اعلان کیا کہ ہم بغیر کسی شرط اور سمجھوتے کے دستور ساز اسمبلی میں جانے پر رضامند ہوئے ہیں، اس میں ہم کیا کریں گے، یہ طے کرنے کے لیے ہم بالکل آزاد ہیں۔

مسلم لیگ کا ردّ عمل اور راست اقدام

اس اعلان سے یہ عیاں ہو گیا کہ کانگریس نے وزارتی وفد کے منصوبے کو مسمار کرنے کے لیے اسے منظور کیا ہے۔ قائداعظم نے کانگریس اور حکومت برطانیہ پر کڑے اعتراضات کیے اور شواہد سے ثابت کیا کہ برطانوی حکومت کانگریس کی خوشنودی کے لیے مسلمانوں کے حقوق پامال اور اپنے وعدوں سے روگردانی کر رہی ہے۔ ایک طرف کانگریس مشروط شمولیت کی پیشکش کر رہی تھی اور منصوبے کو من مانے معنی پہنا رہی تھی، دوسری طرف آئین ساز اسمبلی پر خلافِ اصول فیصلے کرنے کی صورت میں کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی۔ چونکہ یہ صورت حال مسلمانوں کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی اس لیے جولائی کے آخری ہفتے میں مسلم لیگ کی کونسل نے وزارتی منصوبے کی منظوری

واپس لیتے ہوئے اعلان کیا کہ مسلمان پاکستان کی خودمختار مملکت حاصل کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے اور ایسی ہر کوشش کی مخالفت اور اس کا ہر ممکن طریق سے مقابلہ کرنے کی کوشش کریں گے جو اُن کی رضامندی کے بغیر دستور وضع کرنے کی غرض سے کوئی نظام قائم کرنے' یا کوئی دستور مسلط کرنے' یا مرکز میں کوئی عبوری حکومت قائم کرنے کے لیے ہو۔ کونسل نے یہ بھی اعلان کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان حاصل کرنے کے لیے اور موجودہ برطانوی غلامی اور مستقبل کے اس ہندو تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لیے جس کے منصوبے بن رہے ہیں' راست اقدام کیا جائے۔ اس سلسلے میں قوم سے اپیل کی گئی کہ وہ مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد اور منظّم ہو کر ہر قربانی کے لیے تیار رہے اور حکومت کے طرزِ عمل کے خلاف احتجاج کے طور پر تمام سرکاری خطابات واپس کر دیے جائیں۔

اب کانگریس کو احساس ہوا کہ اس کے صدر کے بیان کے کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ 10 جولائی کو اس کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا' جس میں پنڈت نہرو کے بیان کی تردید تو نہیں کی گئی البتہ یہ اعلان ضرور کر دیا گیا کہ کانگریس نے وزارتی سکیم پوری کی پوری منظور کی ہے۔

دستور ساز اسمبلی اور عبوری حکومت

اس اثناء میں دستور ساز اسمبلی منتخب ہوگئی۔ مسلم لیگ نے 78 میں سے 73 مسلم نشستوں پر قبضہ کیا اور کانگریس نے نو کے علاوہ تمام غیر مسلم نشستوں پر۔ عارضی حکومت بنانے کی تجویز ازسرِ نو زندہ ہوئی۔ کانگریس اگرچہ صوبوں کی مجموعہ بندی کی تنسیخ اور دستور ساز اسمبلی کو خودمختاری دینے کا مطالبہ کر رہی تھی' تاہم اسے عبوری حکومت قائم کرنے کی دعوت دے دی گئی' جسے صدر کانگریس نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد قائداعظم کو کہا گیا کہ وہ بھی اس میں شرکت کر لیں' جسے انہوں نے اس بنا پر نامنظور کر دیا کہ صرف ہندو قوم کی جماعت کو وزارت بنانے کی دعوت دے کر وائسرائے نے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی توہین کی ہے' اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس نے وزارتی بیان کی شرائط قبول نہیں کیں۔

16 /اگست 1946ء کو مسلم لیگ کی طرف سے یومِ راست اقدام منایا گیا تاکہ حکومت کی غلط اور غیر منصفانہ پالیسی کے خلاف اظہار احتجاج کرتے ہوئے کامل ہڑتال کی جائے' جلسے کیے جائیں اور مسلم لیگ کے موقف کی تشریح کی جائے۔ ہندوؤں نے اس سادہ پروگرام کو اپنے خلاف قرار دیا۔ کلکتے میں مسلمانوں کے جلسوں اور جلوسوں پر حملے ہوئے تو شہر میں فساد برپا ہو گیا' جس میں پانچ ہزار افراد ہلاک اور پندرہ ہزار زخمی ہوئے۔

24 /اگست کو سرکاری اعلان میں شاہ انگلستان کی منظوری سے عارضی حکومت کے لیے ارکان کے ناموں کا اعلان کر دیا گیا اور طے پایا کہ نئی حکومت 2 ستمبر کو قائم ہو گی۔ اس اعلان کے بعد وائسرائے نے کلکتے کا دورہ کیا' جس کے دوران میں اسے احساس ہوا کہ اگر دونوں قوموں میں سمجھوتا

3

نہ ہوا تو سارے ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ لارڈ ویول نے چاہا کہ کانگریس واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دے کہ نئے دستور کے تحت نئے انتخابات تک صوبے انہی مجموعوں میں رہیں گے جن میں وزارتی وفد نے انہیں رکھا ہے‘ لیکن اِدھر تو کانگریس نے مطالبہ کیا کہ مجموعہ بندی کے مسئلے کے بارے میں فیڈرل کورٹ سے رجوع کیا جائے اور اُدھر برطانیہ کی لیبر حکومت نے وائسرائے کو ہدایت دی کہ وہ کوئی ایسی کارروائی نہ کریں جس سے کانگریس اور حکومت کے درمیان تعلقات منقطع ہو جائیں‘ چنانچہ 2 ستمبر کو عبوری حکومت قائم ہو گئی۔

اب لارڈ ویول نے ایک بار پھر مفاہمت پیدا کرنے کے لیے گاندھی جی‘ پنڈت نہرو اور قائداعظم سے ملاقاتیں کیں۔ نواب بھوپال کی وساطت سے قائداعظم اور گاندھی جی بھی باہم ملے اور اس فارمولے پر ان کا اتفاق رائے ہو گیا کہ جمہوری اصولوں کے مطابق مسلم لیگ ہی مسلمانانِ ہند کی نیابت کا حق رکھتی ہے‘ لیکن کانگریس بھی اس امر میں آزاد ہے کہ اپنے ارکان میں سے جسے چاہے اپنا نمائندہ منتخب کر سکتی ہے۔ بایں ہمہ پنڈت نہرو نے اس پر اصرار کیا کہ کانگریس غیر مسلموں کے علاوہ ان مسلمانوں کی بھی نمائندگی کرتی ہے جو کانگریس کے ساتھ ہیں‘ چنانچہ اس گفت وشنید کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

مسلم لیگ کے لیے بڑا نازک مقام آ گیا تھا۔ ہندو مسلم منافرت اس درجے پھیل چکی تھی کہ جگہ جگہ خونیں فسادات شروع ہو گئے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے یہ بات انتہائی مہلک تھی کہ مرکزی حکومت کے انتظام کا پورا میدان کانگریس کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے‘ چنانچہ قائداعظم نے اس شرط پر حکومت میں شرکت منظور کر لی کہ اگر کانگریس کو اس کے حصے کے ارکان میں ایک مسلمان کو نامزد کرنے کا حق دیا جا رہا ہے تو مسلم لیگ کو بھی یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ اپنے حصے میں سے پس ماندہ اقوام‘ یا دوسری اقلیتوں کے کسی شخص کو نامزد کرے۔ 12 / اکتوبر کو وائسرائے نے اس شرط کی توثیق کر دی اور 25 / اکتوبر کو مسلم لیگ کی شرکت سے عبوری حکومت مکمل ہو گئی۔

مخلوط حکومت بن جانے کے بعد بھی مسلم لیگ اور کانگریس کی آویزش جاری رہی۔ ایک تو شعبوں کی تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا تھا‘ دوسرے کانگریس کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔ پنڈت نہرو نے ایسا رویہ اختیار کیا گویا وہ وزیراعظم ہیں۔ اور امورِ داخلہ ونشریات کے وزیر سردار پٹیل نے اپنے محکموں میں ایسی جابرانہ پالیسی پر عمل شروع کر دیا کہ مسلمانوں کو محسوس ہونے لگا کہ وہ ایک غیر اور حریف حکومت کے زیر تسلط آ گئے ہیں۔ مسلم لیگ کے نزدیک عبوری حکومت وائسرائے کی مخلوط ایگزیکٹو کونسل تھی اور کانگریس کے نزدیک آزاد نیشنل گورنمنٹ۔ اب کانگریس چاہتی تھی کہ مسلم لیگ کی مجلس دستور ساز میں بھی شریک ہو جائے تاکہ اس کا اجلاس منعقد کر کے وزارتی سکیم کے اس حصے کو کثرت رائے سے منسوخ کر دیا جائے جو مسلم اکثریت کے صوبوں کی مجموعہ بندی

اور مجموعوں اور صوبوں کے وضع دستور سے متعلق تھا اور ملک میں ایک مرکزی وحدانی حکومت قائم کرنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اسی دوران میں بہار میں کانگریسی حکومت کے زیر سایہ مسلمانوں کے خلاف منظّم فسادات برپا ہوئے۔ 25/اکتوبر سے 10 نومبر تک مسلم بستیوں پر ہزاروں کی تعداد میں مسلح ہندو حملہ آور ہوتے رہے۔ تیس ہزار مسلمان قتل ہو گئے اور ڈیڑھ لاکھ پناہ گزین ہونے پر مجبور ہوئے۔ اس کے فوراً بعد گڑھ مکتیشر میں گنگا اشنان کے میلے میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ اس طرح بدامنی صوبجات متحدہ کے شمالی اور مغربی اضلاع تک پھیل گئی۔ ان حالات میں قائداعظم نے وائسرائے سے مطالبہ کیا کہ دستور ساز اسمبلی کو غیر معین مدت کے لیے ملتوی کر دیا جائے اور حکومت اپنے تمام وسائل اور پوری توجہ امن وانتظام پر صرف کرے۔ اس مطالبے کو ماننے کے بجائے مجلس دستور ساز کے انعقاد کے لیے 9 دسمبر کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ مسلم لیگ نے اس مجلس میں شریک نہ ہونے کا فیصلہ کیا اور کانگریس نے یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ یا تو مسلم لیگ مجلس دستور ساز میں آئے یا عبوری حکومت سے استعفاء دے دے۔ مسلم لیگ کی طرف سے لیاقت علی خان نے وائسرائے پر واضح کیا کہ وہ مستعفی ہونے کے لیے تیار ہیں' لیکن ان کی جماعت وزارتی وفد کا منصوبہ اس وقت تک منظور نہیں کرے گی جب تک ملک معظم کی حکومت یہ یقین نہ دلا دے کہ صوبے فریقوں میں مجتمع ہوں گے اور یہ فریق اور ان کے مجموعے کثرت رائے سے اپنا دستور وضع کرنے میں مختار ہوں گے اور مزید یہ کہ ملک معظم کی حکومت کو یہ ذمہ لینا چاہیے کہ جب تک اس ضابطے کی پابندی نہ ہو وہ نتائج کا نفاذ نہیں کرے گی۔

اسی گتھی کو سلجھانے کے لیے قائداعظم' خان لیاقت علی خان' پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ وائسرائے کے ہمراہ لندن پہنچے' لیکن ملک معظم کی حکومت کے ساتھ گفت وشنید سے بھی دونوں جماعتوں میں اتفاق رائے نہ ہو سکا' تاہم حکومت برطانیہ صوبوں کی فریق بندی کے اصول پر مصر رہی اور 6 دسمبر کو اپنے اعلان میں اس نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مجلس دستور ساز میں ہندوستانی آبادی کے ایک بڑے حصے کے نمائندے شامل نہیں ہوں گے تو اس کا بنایا ہوا آئین نارضامند طبقوں پر نہیں ٹھونسا جائے گا۔ اس طرح کانگریس کی بالادستی کا خواب ادھورا رہ گیا اور پنڈت نہرو فوراً واپس روانہ ہو گئے۔

آئین ساز اسمبلی نے 20 جنوری 1947ء کو اپنا کام شروع کر دیا اور پنڈت نہرو کے ایما پر ایک قابل اعتراض قرارداد مقاصد منظور کر لی۔ مسلم لیگ نے اصرار کیا کہ چونکہ کانگریس' اچھوتوں اور سکھوں نے وزارتی سکیم کی برطانوی تشریح قبول نہیں کی' اس لیے آئین ساز اسمبلی کے لیے انتخابات اور اس کے اجلاس غیر قانونی اور بے بنیاد ہیں۔ ادھر کانگریس نے وائسرائے پر زور دیا کہ مسلم لیگ کے نمائندوں سے استعفے طلب کیے جائیں۔ 6 فروری کو وائسرائے نے لیاقت علی خان کو بلا کر اس مطالبے سے آگاہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر حکومت کے نزدیک کانگریس نے وزارتی منصوبہ

قبول کر لیا ہے تو مسلم لیگ اپنے طرزِ عمل پر غور کرنے کے لیے تیار ہے' لیکن یہ حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ کانگریس کو مجلس دستور ساز میں ان حدود کے اندر رکھے جو وزارتی وفد نے معین کر دی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وزارتی منصوبہ صحیح معنوں میں کسی نے بھی قبول نہیں کیا' لہٰذا کسی کو بھی اس بنا پر مسلم لیگ سے استعفاء طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔15 فروری کو سردار پٹیل نے دھمکی دی کہ دریں حالات اگر مسلم لیگ عبوری حکومت میں رہی تو کانگریس اس سے الگ ہو جائے گی۔اس کے ساتھ ہی گاندھی جی اور پنڈت نہرو نے وزیر اعظم اٹیلی اور لیبر پارٹی کے دوست ممبروں کو لارڈ ویول کے خلاف خطوط لکھے اور یہ مہم شروع کی کہ اس کی جگہ کوئی زیادہ اہل وائسرائے بھیجا جائے۔

انخلاء کا اعلان

لیبر گورنمنٹ کے لیے اب سخت دشواری کا سامنا تھا۔ایک طرف تو وہ اس پر کسی طور پر بھی آمادہ نہیں تھی کہ کانگریس عبوری حکومت سے الگ ہو کر کوئی مخالفانہ تحریک شروع کر دے' دوسری طرف وہ مسلم لیگ سے استعفاء کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتی تھی' کیونکہ اس سے اندیشہ تھا کہ نہ صرف ہندوستان کے مسلمان راست اقدام کی قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں گے' بلکہ دوسرے مسلم ممالک میں بھی اس کے خطرناک اثرات ہوں گے' چنانچہ وزیر اعظم نے 2 فروری کو اعلان کیا کہ جون 1948ء تک حکومت برطانیہ تمام اختیارات ایک ایسی ہندوستانی حکومت کے حوالے کر دے گی جسے عوام کی حمایت حاصل ہو' جو امن قائم رکھ سکے اور عدل وصلاحیت سے نظم ونسق چلا سکے' نیز اگر اقوامِ ہند متفقہ دستور نہ بنا سکیں تو ملک کا انتظام کسی بھی مرکزی حکومت کے حوالے کر دیا جائے گا' یا بعض صوبوں کا انتظام صوبائی حکومتوں کو سونپ دیا جائے گا۔اسی بیان میں یہ بھی اعلان کیا گیا کہ انتقالِ اختیار کے لیے لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے مقرر کیا گیا ہے اور وہ مارچ 1947ء میں اپنا عہدہ سنبھال لیں گے۔

مسلم اکثریت کے صوبوں کی حالت

اس اثناء میں کانگریس مسلم اکثریت کے صوبوں میں ہندوؤں اور سکھوں کو اس پر اکسا رہی تھی کہ وہ مجموعوں کی مجلس دستور ساز میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ بنگال میں مغربی بنگال کا ایک علیحدہ صوبہ قائم کرنے کی تحریک شروع ہو گئی تھی۔آسام کی کانگریس پارٹی نے اپنے صوبے کی مجلس آئین ساز کے تمام ارکان کو حکم دے دیا تھا کہ وہ وزارتی سکیم کے تحت بنگال کے ساتھ ایک مجموعے میں شریک نہ ہوں۔سندھ میں مسلم لیگی حکومت کو متزلزل کرنے کی کوششیں برابر جاری تھیں۔صوبہ سرحد میں پہلے سے کانگریسی وزارت قائم تھی۔پنجاب میں گورنر کی حمایت سے مسلم لیگ کو وزارت بنانے سے محروم رکھا گیا تھا۔یہ صورت حال بڑی خطرناک تھی کہ جن صوبوں میں پاکستان قائم ہونا تھا وہاں بھی مسلم لیگ

پوری طرح برسرِ اقتدار نہیں تھی' چنانچہ مسلم لیگ نے پنجاب میں دوبارہ انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا۔ اس پر چڑ کر یونینسٹ پارٹی نے جبر و تشدد سے کام لیا اور مسلم لیگ نیشنل گارڈز کو خلافِ قانون قرار دے کر کئی رہنما گرفتار کر لیے۔ اس کے بعد مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی جو پورے صوبے میں پھیل گئی اور چونتیس روز تک جاری رہی۔ ہزاروں عورتیں اور مرد گرفتار ہوئے' جگہ جگہ لاٹھی چارج کیا گیا' پرامن مظاہرین پر گولیاں چلائی گئیں' لیکن تحریک کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ادھر مسٹر اٹیلی کے اعلان کے بعد سکھوں کے رہنما ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ سکھوں نے اکالی جتھے بھرتی کرنے شروع کیے اور ہندوؤں میں راشٹریہ سیوک سنگھ سرگرمِ عمل ہو گئی تا کہ ضرورت پیش آنے پر مسلمانوں کے خلاف گوریلا جنگ کی جا سکے۔ مسلم لیگ کی تحریک سے یونینسٹ حکومت متزلزل ہو گئی اور فروری کے آخر میں مسلم لیگی رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا۔ مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ 3 مارچ کو صوبائی اسمبلی کے ہونے والے اجلاس میں مخلوط وزارت کو توڑنے کی پوری کوشش کی جائے۔ خضر حیات ٹوانہ نے پہلے تو ہندوؤں اور سکھوں کی مدد سے مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا' مگر مسلمانانِ پنجاب کے تیور دیکھ کر 2 مارچ کو انہوں نے اپنی وزارت سے استعفاء پیش کر دیا۔ اگلے روز نواب ممدوٹ نے نئی وزارت بنانے کے لیے یونینسٹ پارٹی کے ہندو سکھ ارکان کو جمع کر کے تعاون کی دعوت دی' لیکن انہوں نے تشدد اور بدامنی کی دھمکی دی اور 4 مارچ کو ماسٹر تارا سنگھ نے اسمبلی ہال کے باہر تلوار لہرا کر ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف گوریلا جنگ کا اعلان کر دیا۔ اسی دن ہندوؤں اور سکھوں نے تمام پنجاب میں مسلمانوں پر حملے شروع کیے اور طرح طرح سے انہیں اشتعال دلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہروں' قصبوں اور دیہات میں جگہ جگہ خونریز بلوے ہونے لگے۔ پنجاب کے گورنر نے ایک بار پھر جانب داری کا ثبوت دیا اور مسلم لیگ کو وزارت کی دعوت دینے کے بجائے صوبے میں گورنری راج قائم کر دیا۔

اس اثنا میں مسلم لیگ کی طرف سے صوبہ سرحد میں بھی پرامن اور منظّم مظاہرے ہو رہے تھے' حکومت بڑی کثرت سے مظاہرین کو گرفتار کر رہی تھی اور مسلم لیگ کی تحریک کے اثرات آزاد قبائل تک پہنچ چکے تھے۔

ماؤنٹ بیٹن منصوبہ

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 22 مارچ کو اپنے عہدے کا حلف اٹھا کر کانگریس اور لیگ کے قائدین سے گفتگو شروع کی اور ابتدا ہی میں ظاہر ہو گیا کہ اس کے میلانات ہندوؤں کے حق میں ہیں۔ یہ مذاکرات کئی ہفتوں تک جاری رہے۔ اب یہ پوری طرح واضح ہو چکا تھا کہ وزارتی سکیم کے منصوبے کے مطابق پورا ہندوستان ایک مرکزی حکومت کے ماتحت نہیں رہ سکتا اور کانگریس کا یہ مطالبہ شدت

اختیار کر گیا تھا کہ تقسیم ملک کی صورت میں پنجاب، بنگال اور آسام کے ان حصوں کو تقسیم کر کے ہندو یونین میں شامل کیا جائے جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن نے ملک اور صوبوں کی اس تقسیم کے مطالبات کی روشنی میں ایک منصوبہ تیار کیا جسے حکومت برطانیہ نے منظور کر لیا، لیکن جب اسے پنڈت نہرو کو دکھایا گیا تو انہوں نے اسے ناقابل قبول ٹھہرایا، چنانچہ ترمیمات کے ساتھ نیا منصوبہ تیار ہوا اور اس کی منظوری حاصل کرنے کے لیے وائسرائے خود لندن روانہ ہو گیا اور 31 مئی کو واپس آ کر اعلان کیا کہ اسے 2 جون کو ہندوستانی رہنماؤں کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

اس منصوبے میں یہ طے کیا گیا تھا کہ (ا) پنجاب اور بنگال کی آئین ساز مجلسیں اپنے اجلاس دو حصوں میں کریں گی۔ ایک حصے میں مسلمان اضلاع کے نمائندے اور دوسرے میں باقی اضلاع کے نمائندے شریک ہوں گے اور یہ فیصلہ کریں گے کہ ان صوبوں کو تقسیم کرنا چاہیے یا نہیں۔ اگر ایک حصے کے ارکان سادہ اکثریت سے یہ فیصلہ کر لیں کہ صوبے کو تقسیم ہونا چاہیے تو ایسا ہی ہو گا۔ تقسیم کی صورت میں دونوں حصے یہ فیصلہ کریں گے کہ وہ پہلی مجلس آئین ساز میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا نئی میں۔ علاوہ ازیں پنجاب اور بنگال میں مسلم اور غیر مسلم اکثریت کے علاقوں کی حد بندی کے لیے ایک حد بندی کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ (ب) صوبہ سندھ کی قانون ساز اسمبلی سے پوچھا جائے گا کہ وہ پرانی مجلس دستور ساز میں شریک ہو گی یا نئی میں۔ (ج) صوبہ سرحد کی شمولیت کا عام رائے شماری سے فیصلہ ہو گا۔ اسی طرح (د) آسام کے واحد مسلم اکثریتی ضلع سلہٹ کا بھی عام رائے شماری ہی سے فیصلہ ہو گا کہ وہ مشرقی بنگال میں شامل ہو گا یا آسام ہی میں رہے گا، (ہ) اس کے بعد دونوں مجالس دستور ساز (برائے بھارت و پاکستان) کے لیے نئے انتخابات ہوں گے، (و) 14 اگست 1947ء کو برطانوی حکومت اقتدار منتقل کر دے گی۔

اس منصوبے کی منظوری کانگریس نے اس شرط پر دی کہ مسلم لیگ بھی ایسا ہی کرے۔ قائداعظم نے لیگ کونسل کا اجلاس بلانے کے لیے مہلت طلب کی تو وائسرائے نے دھمکی دی کہ اس صورت میں کانگریس اور سکھ دوسری صبح کے اجلاس میں اسے نامنظور کر دیں گے اور پھر پاکستان شاید کبھی نہ بن سکے۔ وائسرائے کی اس ہٹ دھرمی اور ملک کی نازک صورت حال کے پیش نظر قائداعظم کو بامر مجبوری اس پر رضامند ہونا پڑا۔ 3 جون کو آل انڈیا ریڈیو سے قائداعظم، پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے منصوبے کی منظوری کے اعلانات نشر کیے، جس کی توثیق 10 جون کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور 14 جون کو آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی نے کر دی۔

صوبوں کی تقسیم اور استصوابِ رائے عامہ

20 جون کو بنگال کی قانون ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ بنگال تقسیم کر دیا

جائے اور مغربی بنگال ہندوستان کی مجلس دستور ساز میں اور مشرقی بنگال اور سلہٹ مل کر نئی مجلس دستور ساز میں شریک ہوں۔ یہ فیصلہ امن وانتظام کے ساتھ ہوگیا۔

پنجاب میں ان دنوں انتہائی بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ پولیس کے زیر انتظام صوبائی اسمبلی کے ارکان نے فیصلہ کیا کہ صوبے کی تقسیم کے بعد مشرقی پنجاب کے ان اضلاع کے نمائندے جہاں غیر مسلم اکثریت میں ہیں ہندوستان کی مجلس دستور ساز میں شریک ہوں گے۔

26 جون کو سندھ کی اسمبلی نے کثرتِ رائے سے نئی مجلس دستور ساز میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔

یہی فیصلہ بلوچستان کی طرف سے شاہی جرگے اور کوئٹے کی بلدیہ کے غیر سرکاری ارکان کے جلسے میں متفقہ طور پر کیا گیا۔

جولائی کی ابتداء میں سلہٹ کے لیے استصوابِ رائے عامہ ہوا اور 184041 کے مقابلے میں 239619 راؤں کی تعداد سے سلہٹ کو آسام سے الگ کر کے مشرقی بنگال میں شامل کرنا طے پایا۔

صوبۂ سرحد میں عرصے سے کانگرسی حکومت قائم تھی۔ وہاں خان عبدالغفار خان نے مطالبہ کیا کہ پاکستان اور ہندوستان کے ساتھ خود مختار پٹھانستان (پختونستان) کے لیے بھی رائے لی جائے' لیکن قائداعظم نے اس کی شدید مخالفت کی اور وائسرائے نے بھی اسے تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ خان برادران نے استصواب رائے کے مقاطعے کا اعلان کر دیا۔ بایں ہمہ صوبے کے لوگوں کی بڑی اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے دی۔

اس کے بعد پاکستان کی مجلس دستور ساز میں نمائندگی کے لیے سلہٹ' مشرقی بنگال اور مغربی پنجاب میں نئے انتخابات ہوئے۔ سندھ' بلوچستان اور صوبہ سرحد میں اس کی ضرورت یوں پیش نہ آئی کہ یہ علاقے تقسیم نہیں ہوئے تھے۔

قانونِ آزادئ ہند

15 جولائی کو برطانوی پارلیمنٹ نے آزادئ ہند کا قانون منظور کیا۔ 18 جولائی کو بادشاہ نے اس کی منظوری دے دی اور عارضی دستور کے طور پر کام دینے کے لیے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء میں ضروری ترمیم کر کے اسے انڈیا آرڈر 1947ء کے نام سے نافذ کر دیا گیا۔

انتقالِ اختیار سے قبل عبوری دَور کے لیے دونوں مملکتوں کے لیے گورنر جنرل کے تقرر کا مسئلہ بھی طے ہونا تھا۔ کانگریس ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا گورنر جنرل بننے کی دعوت دے چکی تھی۔ قائد اعظم کی تجویز تھی کہ دونوں مملکتوں کے لیے علیحدہ علیحدہ گورنر جنرل ہوں اور اختلافی مسائل کو طے

کرنے کے لیے ایک بالائی گورنر جنرل مقرر کیا جائے' لیکن اسے ماؤنٹ بیٹن نے قبول نہ کیا۔ 2 جولائی کو مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ پاکستان کے گورنر جنرل قائداعظم ہوں گے۔ اس فیصلے سے ماؤنٹ بیٹن کو سخت صدمہ ہوا اور اس کے بعد وہ ہر معاملے میں ہندوؤں کی حمایت پر تل گیا۔ (دیکھیے: Creator of Pakistan Jinnah' ص 193۔) چنانچہ اس کا ثبوت دفاتر' افواج' اسلحہ اور املاک کی تقسیم کے سلسلے میں قدم قدم پر ملتا رہا۔

ریڈکلف ایوارڈ

دونوں مملکتوں کی سرحد کی تعیین کے لیے دو حد بندی کمیشن قائم کیے گئے جن کا صدر سرسرل ریڈکلف کو مقرر کیا گیا۔ کمیشن کے ارکان ہائی کورٹ کے جج تھے۔ بنگال کمیشن جسٹس ابوصالح محمد اکرم' جسٹس ایس اے رحمٰن' جسٹس سی سی بسواس اور جسٹس بی کے مکرجی پر اور پنجاب کمیشن جسٹس شیخ دین محمد' جسٹس محمد منیر' جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ پر مشتمل تھا۔ ان کے درمیان اتنا شدید اختلاف پیدا ہوا کہ فیصلہ دینے کا حق کمیشن کے صدر کو سونپ دیا گیا۔ اُس نے جو فیصلہ دیا' وہ کتنا غیر منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تھا' اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ پنجاب میں گورداسپور اور بٹالہ کی تحصیلیں' جن میں مسلمان اکثریت میں تھے' ہندوستان میں شامل کر دی گئیں' بلکہ سرحدی خط دیہات وار کھینچا گیا اور ساٹھ فی صد مسلم اکثریت کی تحصیل اجنالہ (ضلع امرتسر) اور اسی طرح زیرہ اور فیروزپور کی تحصیلیں بھی پاکستان میں شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ بقول قائداعظم: ''اس عظیم اور خودمختار مسلم ملک کی تعمیر میں ہم سے سخت ناانصافیاں کی گئیں۔ جہاں تک ممکن تھا' ہم کو دبایا گیا اور ہمارے رقبے کو کم کیا گیا۔ جو آخری ضرب ہم پر لگائی گئی ہے' وہ حد بندی کمیشن کا فیصلہ ہے۔ یہ ایک غیر منصفانہ' ناقابل فہم بلکہ مکروہ فیصلہ ہے...... بہرحال ہم اس کی پابندی کا وعدہ کر چکے ہیں' لہٰذا ایک آبرومند قوم کی طرح ہمیں یہ قبول کر لینا چاہیے''۔

دراصل انگریز اور ہندو کی ابتدا ہی سے یہ کوشش رہی تھی کہ ہندوستان متحد رہے اور جب تقسیم ناگزیر نظر آئی تو انھوں نے پاکستان کو ہر ممکن طریق سے اتنا کمزور کر دینا چاہا کہ وہ زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکے۔

لیکن پاکستان قائم رہنے کے لیے وجود میں آیا۔ 7/اگست کو قائداعظم دہلی سے کراچی پہنچ گئے۔ 11/اگست کو پاکستان کی دستورساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا۔ 13/اگست کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے برصغیر کے آخری وائسرائے کی حیثیت سے کراچی آ کر 14/اگست کو دولتِ مشترکہ کی نئی مملکت پاکستان کے اختیارات اُس کے گورنر جنرل کے حوالے کر دیے اور 15/اگست کو قائداعظم نے بحیثیت گورنر جنرل پاکستان حلف اٹھایا۔ پاکستان باضابطہ قائم ہوگیا۔ oo